سودی لین دین سے متعلق مسائل بھی علماء وفقہاء سے رہنمائی کا تقاضا کر رہے تھے۔ ایسے میں شاہ صاحب نے اپنے متعدد فتاویٰ میں دارالحرب میں مسلمانوں کے لیے سودی معاملات کو جائز قرار دیا تو ساتھ ہی مسلمانوں کو اس باب میں احتیاط کی بھی تلقین کی۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طور پر بھی قرین حق وانصاف نہ ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز مسلمانوں کی سیاسی محکومیت سے یکسر لاتعلق تھے اور غیر مسلم برطانوی اقتدار کی وفادارانہ واطاعت شعارانہ غلامی پر قانع ہی نہیں بلکہ اس کے استحکام کے لیے تعاون پر آمادہ ہو گئے تھے اور اب غیر مسلم اقتدار کے تحت ان کا مطمح نظر صرف اور صرف اسلامیانِ ہند کے "اقتصادی مفادات" کا تحفظ تھا، جو اس وقت سودی لین دین کو سندِ جواز فراہم کرنے سے ہی ممکن تھا۔(۷۱) شاہ صاحب کے دہلی میں بعض انگریز حکام سے روابط، خصوصاً انگریز حکام کی طرف سے ان کے لیے "مددمعاش" کے اجرا جیسے نیز ان کی ضبط شدہ جائداد کے واگزار کرانے جیسے فیاضانہ اقدامات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی قرین صواب نہ ہوگا کہ وہ برطانوی حکومت سے وفادارانہ وخیر خواہانہ تعلقات کی استواری نیز اس کی مطلق انقیاد واطاعت کے حامی وداعی تھے۔ متعدد قوی تاریخی شواہد اور قرائن ایسے ہیں کہ جو شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے بعض دوسرے مضمرات (ہجرت وجہاد) پر دلالت کرتے ہیں۔ ان شواہد وقرائن کی بنا پر شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے قانونی وسیاسی اور معاشی مضمرات سے متعلق جدید اہلِ دانش وروں (مشیر الحق، سید اطہر عباس رضوی اور محمد خالد مسعود) کی تعبیر وتشریح قرین صواب معلوم نہیں ہوتی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سید معین الحق، "مقدمہ"، مشمولہ سعادت یار خاں رنگین، اخبار رنگین (مرتبہ: سید معین الحق) (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۳ء)، ص ۵۔ "فرمان از شاہ عالم مشتمل بر منظوری عطائے دیوانی بنگال، بہار، اڑیسہ بنام کمپنی" کے متن کے لیے دیکھیے: ص ۲۔ مزید دیکھیے: Edward Thomton, The History of the British Empire in India (London: W M. H. Allen and Co., 1841), vol. I, pp. 496-97; John Clark Marshman, The History of India: From the Earliest Period to the Present Time (New Delhi: Lal Publishers, 1982), pp. 161-162; Ishtiaq Hussain Qureshi, The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (Karachi: University of Karachi, 1999), p. 219-220; Syed Moinul Haq, The Great Revolution of 1857 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1968), p. 3.

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمود خاں محمود بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد میسور (لاہور: عوامی کتاب گھر، س۔ن)؛ محمد الیاس ندوی، سیرت سلطان ٹیپو شہید (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۷ء)۔

۳۔ مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان: سلطنت اسلامیہ کا بیان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ج ۱، ص ۴۲۳-۴۲۴؛ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی (نئی دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء)، ج ۱، ص ۶۸۷-۶۸۸

۴۔ دیکھیے:

Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent*, pp.218-219; S. Moinul Haq, "Ahmad Shah, 'Alamgir II and Shah 'Alam", in *A History of the Freedom Movement* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1957), vol.I, pp.136-137.

۵۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی (لاہور: مکتبہ محمودیہ، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء)، ج ۲، ص ۷۷۔ ۷۸

۶۔ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، ج ۱، ص ۶۸۸

۷۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص ۷۸

۸۔ دارالحرب میں تبدیلیٔ احکام کے بارے میں ملاحظہ ہو: امام علاء الدین ابوبکر مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (مترجم: خان محمد چاولہ) (لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۳۴۔ ۳۳۹

۹۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی میں برطانوی اقتدار و تسلط کے تحت ہندوستان کی شرعی حیثیت (اس کے دارالحرب ہونے) کے بارے میں کئی ایک فتاویٰ ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیزی (دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ)، ج ۱، ص ۱۶۔ ۱۷، ۱۰۵، ۱۸۵، ۱۸۹ وغیرہ

۱۰۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۳۲۔ ۳۳؛ فتاویٰ عزیزی اردو مبوب بطرز جدید (مترجم: مولوی عبدالواحد غفوری غازی پوری) (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۶۱ء)، ص ۵۵۴۔ ۵۵۵

۱۱۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ج ۱، ص ۱۶۔ ۱۷

۱۲۔ فتاویٰ عزیزی کامل مبوب بطرز جدید (اردو)، ص ۴۴۱

۱۳۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۱۶۔ ۱۷؛ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۴۴۱۔ ۴۴۲

۱۴۔ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۵۵۱۔ ۵۵۴؛ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۱۰۹۔ ۱۱۰

۱۵۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے ملفوظات میں بھی کلکتہ سے لاہور تک کے علاقہ کو دارالحرب قرار دیا، البتہ یہ فرمایا ہے کہ رام پور اور لکھنؤ وغیرہ مقامات دارالحرب نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی، مفتی انتظام اللہ شہابی) (کراچی: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۴۳۔ اپنے ملفوظات میں لکھنؤ کے دارالحرب نہ ہونے کی بھی صراحت کر دی، فرمایا: "نواب وزیر کے عہد میں یہ ملک (لکھنؤ) ابھی دارالحرب نہیں ہوا البتہ دارالفتن ہے [نواب وزیر مذکور کی شخصیت کی بنا پر]۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ ان کی حکمرانی میں برکت اور رعایت نہیں تھی لیکن انگریزوں کے عہد میں اس سے بھی زیادہ بے برکتی ہے۔" حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱

۱۶۔ ملاحظہ ہو: مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ (لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء)، ج ۲، ص ۱۹۱۔ ۱۹۵؛ مولانا احمد رضا خان بریلوی، اعلام الاعلام بأن ہندوستان دارالاسلام (بریلی: مطبع اہل سنت و جماعت، ۱۳۰۶ھ)، ص ۴۔ ۱۸؛ مولانا حبیب الرحمن اعظمی، دارالاسلام اور دارالحرب (مئو، یو۔ پی: مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۳۔ ۱۹۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے دارالاسلام و دارالحرب کی تعیین و تشخیص کے باب میں شاہ عبدالعزیز سے "متقدم اور ان سے اوثق" بہت سے فقہائے احناف کی تصریحات نقل کی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ دارالاسلام پر سے مسلم اقتدار کے خاتمے اور وہاں غیر مسلم اسٹیٹ قائم ہونے کے بعد اگر احکام اسلام [کچھ نہ کچھ] اس اسٹیٹ میں جاری ہیں تو وہ بلاشبہ دارالاسلام ہیں (حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۔ ۱۷)۔ شاہ عبدالعزیز کی رائے کے برخلاف ان فقہاء کی تصریحات کی رو سے ہندوستان کا دارالحرب ثابت ہونا ناممکن تھا اور ان کی رو سے وہ بلاشبہ دارالاسلام ہی تھا، کیونکہ جب تک غیر مسلموں کے زیر اقتدار ملک میں احکام اسلام میں سے ایک حکم بھی باقی رہے وہ دارالحرب نہیں بن سکتا (حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۔ ۲۸، ۳۰)

۱۷۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، جلد ۱، ص ۳۲۔ ۳۵؛ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۵۵۴۔ ۵۵۷

۱۸۔ فقہ اسلامی میں کسی ملک کے دارالحرب قرار پائے جانے کی صورت میں کئی سیاسی و قانونی نتائج مترتب ہوتے ہیں، مثلاً اس ملک سے ہجرت فرض ہوا اور اس ملک کے خلاف جہاد کی فرضیت۔ دیکھیے: محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ء۔۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، جلد ۳۸، شمارہ ۱۰ تا ۱۲ (اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۵۳؛ مزید دیکھیے: Rudolph Peters, *Islam and Colonialism: The Doctrines of Jihad in Modern Islam* (The Hague-Paris-New York: Mouton, 1979); M. Naeem Qureshi, "The 'Ulama of British India and the Hijrat of 1920", *Modern Asian Studies*, 13:1 (1979): 41-59, esp. 41-45; David Cook, *Understanding Jihad* (Berkeley: University of California Press, 2005), esp. pp. 39-48; Michael Bonner, *Jihad in Islamic History: Doctrines and Practice* (Princeton, NJ: Princeton University Press, 2006); Ahmed Mohsen Al-Dawoody, "War in Islamic Law: Justifications and Regulations", Ph. D. Thesis, University of Birmingham, 2009, esp. chap. 3, pp. 126-192; Alan Verskin, "Early Islamic Legal Responses to Living Under Christian Rule: Reconquista-Era Development and Impact in the Maghrib", Ph. D. Dissertation, Department of Near Eastern Studies, Princeton University, Princeton, NJ, 2010, esp. chaps 4 (pp. 145-173) and 5 (pp. 174-230); Christopher J. van der Krogt, "Jihad without Apologetics", *Islam and Christian-Muslim Relations*, vol. 21, no. 2 (2010), pp. 127-142; Benjamin Claude Brower, "The Amir 'Abd Al-Qadir and the "Good War" in Algeria, 1832-1847", *Studia Islamica, nouvelle edition series*, 2 (2011), pp. 35-68; Marina Carter and Crispin Bates, "Religion and Retribution in the Indian Rebillion of 1857", *Leidschrift, Empire, and Resistance - Religious beliefs versus the ruling power*, 24:1 (2009), pp. 51-68.

۱۹۔ دیکھیے: مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (مرتب: محمد سرور) (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۲۰۰۸ء)، ص ۵۶ تا ۵۷، ۹۳)؛ نیز دیکھیے: وہی مصنف، خطبات و مقالات (مرتب: مفتی عبدالخالق آزاد) (لاہور: ادارہ تحقیق و اشاعت، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۰۶_۲۰۷

۲۰۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، نقش حیات (لاہور: المیزان، ۲۰۰۶ء)، حصہ دوم، ص ۱۲_۱۳، ۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۲_۳۳

۲۲۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص ۸۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۸۲_۸۳

۲۴۔ مولانا امیر ادروی، مولانا رشید احمد گنگوہی: حیات اور کارنامے، دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص ۵۳۔ جمعیۃ العلماء ہند سے وابستگی رکھنے والے بعض دیگر اہل قلم نے بھی شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ کی اسی تعبیر کو اختیار کرتے ہوئے اسے برعظیم پاکستان و ہند کی جنگ آزادی کی بنیادی دستاویز قرار دیا ہے۔ بطور مثال دیکھیے: ابو سلمان شاہجہان پوری، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب: تاریخی و سیاسی اہمیت (کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، ۱۹۹۵ء)۔

۲۵۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)، ج ۵، ص ۳۳۱، ۳۶۷_۳۶۸

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۷۱-۲۷۲

۲۷۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مورخ خورشید مصطفیٰ رضوی کے خیال میں "شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس طرح غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہاد یا جنگ دل آزادی کا اعلان کیا" (خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء، ص ۵۷)

۲۸۔ خلیق احمد نظامی، "پیش لفظ"، در عبداللطیف، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۱؛ وہی مصنف، "محاربہ ۱۸۵۷ء"، دارالعلوم (دیوبند)، ۹۱: ۱۰-۱۱ (اکتوبر-نومبر ۲۰۰۷ء)، ص ۵۹-۶۰۔ مزید دیکھیے:

K. A. Nizami, "Socio-religious Movements in Indian Islam, 1763-1898", in S. T. Lokhandwalla (ed.), India and Contemporary Islam: Proceedings of a Seminar (Simla: Indian Institute of Advanced Study, 1971), pp. 98-115, esp. pp. 103-104.

۲۹۔ کے ایم اشرف، "احیاء اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب"، ماہنامہ (دہلی)، جلد ۳۰، شمارہ ۱ (جنوری ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۳-۲۲۵۔ نیز دیکھیے: کے ایم اشرف، "احیاء اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب"، در پی سی جوشی، محمد علی تارق (مرتبین)، انقلاب ۱۸۵۷ء: جدید انکشافات (لاہور: مکتبہ اخوت، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۰۰-۱۰۱۔ مزید دیکھیے: K. M. Ashraf, 'Muslim Revivalists and the Revolt of 1857', in P. C. Joshi (ed.), Rebellion1857: A Symposium (New Delhi: People's Publishing House, 1957), pp. 71-102.

۳۰۔ Ziya-ul-Hasan Faruqi, The Deoband School and the Demand for Pakistan (Bombay/New Delhi: Asia Publishing House, 1963), p. 2.

۳۱۔ Ishtiaq Husain Qureshi, Ulema in Politics (Karachi: Ma'aref Limited, 1972), pp. 138-140; Idem, The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, p. 220.

۳۲۔ سید معین الحق، "پیش لفظ"، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی، محقق: انتظام اللہ شہابی) (کراچی: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء)، ص ۶

۳۳۔ محمد ایوب قادری، "تحریک جہاد کا پس منظر"، الولی (حیدرآباد)، جلد ۹، شمارہ ۸-۹ (نومبر-دسمبر ۱۹۷۷ء)، ص ۱۸؛ وہی مصنف، "فتویٰ دارالحرب سے تحریک ریشمی رومال تک: برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا مختصر خاکہ"، سووینیر، سلسلہ مطبوعات نمبر ۳ (کراچی: [illegible] اکیڈمی، س۔ن)، ص ۲۶-۲۷

۳۴۔ محمد ایوب قادری، "سرسید احمد خان اور وہابی تحریک"، البلاغ (کراچی)، جلد ۴، شمارہ ۴ (ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ/جولائی ۱۹۷۰ء)، ص ۳۰-۳۱

۳۵۔ ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۸۴

۳۶۔ محمد مجیب کے خیالات و آراء کے لیے دیکھیے: M. Mujeeb, *The Indian Muslims* (London: George Allen & Unwin Ltd., 1967), pp. 390-396.

۳۷۔ دیکھیے: مشیر الحق، "انیسویں صدی کے ہندوستان کی حیثیت شرعی: شاہ عبدالعزیز کے فتاوائے دارالحرب کا ایک ضمنی تجزیہ"، برہان (دہلی)، جلد ۶۳ (۱۹۶۹ء)، ص ۲۲۱-۲۲۳؛ وہی مصنف، "شاہ عبدالعزیز کے فتاوائے دارالحرب کا تاریخی پس منظر"، در مشیر الحق، مذہب اور جدید ذہن (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۲ء)، ص ۲۶-۵۱۔ مزید دیکھیے: وہی مصنف، Shah Abdul Aziz: His Life and Time (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1995), esp. pp. 35-72.

۳۸۔ مشیر الحق، "شاہ عبدالعزیز کے فتاوائے دارالحرب کا تاریخی پس منظر"، ص ۴۷-۴۸

۳۹۔ ایضاً، ص ۴۸

۴۰۔ ایضاً، ص ۷۱

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۰

۴۲۔ ایضاً، ص ۶۱، ۶۹

۴۳۔ ایضاً، ص ۴۸

۴۴۔ ایضاً، ص ۴۷۔۴۸

۴۵۔ ایضاً، ص ۶۹

۴۶۔ ایضاً، ص ۶۹، بحوالہ فتاویٰ عزیزی، جلد ۱، ص ۵۲

۴۷۔ ایضاً، ص ۷۰۔ سر سید احمد خان، امیر علی اور مولوی چراغ علی کے نظریہ ہائے جہاد کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Moulavi Cheragh Ali, A Critical Exposition of the Popular Jihad, Showing that all the Wars of Mohammad Were Defensive and that Aggressive War, or Compulsory Conversion, is not Allowed in The Koran (Calcutta: Thacker, Spink and Co.,1885); Ghulam Mohammad Jaffar, "The Repudiation of Jihad by the Indian Scholars in the Nineteenth Century", Hamdard Islamicus (Autumn 1992), pp. 93-100.

۴۸۔ ایضاً، ص ۷۰، بحوالہ فتاویٰ عزیزی، جلد ۲، ص ۸۸

۴۹۔ اطہر عباس کے خیالات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Rizvi, Saiyid Athar Abbas, Shah 'Abd al-'Aziz: Puritanism, Sectarian, Polemics and Jihad (Canberra: Ma'rifat Publishing House, 1982), pp. 225-237, 522-541.

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔۲۳۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۷

۵۲۔ ایضاً، ص ۵۲۲۔۵۴۱

۵۳۔ محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ تا ۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، جلد ۲۱، شمارہ ۱۰ تا ۱۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۳۲۔۴۳؛ یہی مضمون: "شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶۔۱۸۲۴ء)"، مشمولہ محمد خالد مسعود (مرتب)، اٹھارھویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رجحانات (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۴۳۔۲۵۶ مزید دیکھیے: Muhammad Khalid Masud, "The World of Shah 'Abd al-'Aziz (1746-1824)" in Jamal Malik, Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860 (Leiden-Boston-Koln: Brill, 2000), pp. 298-314.

۵۴۔ محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ تا ۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۵۶۔۵۷

۵۵۔ ایضاً، ص ۵۷

۵۶۔ ایضاً، ص ۵۷۔ شاہ عبدالعزیز سے دہلی کے بعض انگریز حکام کے میل جول کے بارے میں ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی، محقق: انتظام اللہ شہابی) (کراچی: ۱۹۶۰ء)، ص ۲۱۴۔۲۲۵، ۲۳۷، ۲۴۹؛ نیز ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۲۶۔۱۳۰، ۱۴۸

۵۷_ محمد خالد مسعود، ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ء تا ۱۸۲۴ء)''، ص ۵۰_۵۱، ۵۸۔

۵۸_ ایضاً، ص ۵۱_۵۴۔

۵۹_ ایضاً، ص ۵۶۔

۶۰_ محمد ایوب قادری، ''مقدمہ''، مشمولہ سید مصطفیٰ علی بریلوی، ۱۸۵۷ء کا ایک جانباز مجاہد: نواب خان بہادر خاں شہید (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۶۳ء)، ص ۹_۱۰_ مزید دیکھئے: Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia 1707-1867: The Role of Shah Wali Allah and His Successors (Islamabad: Islamic Research Institute, 2002), p. 177.

۶۱_ مکتوبات شاہ عبدالعزیز (فارسی)، ص ۲۰۱ بحوالہ رئیس احمد جعفری (مرتب)، اوراق گم گشتہ (لاہور: محمد علی اکیڈمی، ۱۹۶۸ء)، ص ۱۹۰_ شاہ اہل اللہ وغیرہ کے نام خطوط میں بھی شاہ عبدالعزیز نے اس پرفتن دور میں پیش آمدہ مصائب و شدائد کے بارے میں ایسے ہی جذبات و احساسات کا اظہار کیا۔ دیکھئے: شاہ عبدالسلام (مرتب)، رسائل الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلوی و اولادہ و معاصریہ (لکھنؤ: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء)، مکتوب ۱۳، ص ۶۰؛ مکتوب ۲۱، ص ۶۱_۶۴، ۶۵؛ مکتوب ۶۸، ۶۹، ۷۰، ص ۹۱_۹۳

۶۲_ حافظ احمد علی شوق، کاملان رام پور (پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۸۶ء)، ص ۲۰۳_۲۰۴_ شاہ عبدالعزیز کے مکاتیب بنام مولوی عبدالرحمن رام پوری مع برادران، کے فارسی متن اور ان کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: سید رئیس احمد جعفری (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۱۹۳_۱۹۷_ شاہ عبدالعزیز بعض اکابر علماء کے نام اپنے خطوط میں بھی دہلی سے ہجرت سے متعلق اپنے عزم و ارادے کا ذکر کیا ہے لیکن اس وقت ہندوستان میں انھیں کوئی محفوظ و مامون ٹھکانہ نظر نہ آتا تھا۔ دیکھئے: شاہ عبدالسلام (مرتب)، رسائل الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلوی و اولادہ و معاصریہ، مکتوب ۵۵، ص ۹۰؛ مکتوب ۲۶، ص ۹۲_۹۳

۶۳_ شاہ عبدالعزیز اور تحریک مجاہدین کے باہمی ارتباط کے بارے میں دیکھئے: ندوی، سیرت سید احمد شہید، جلد ۱؛ مہر، سید احمد شہید، ابواب ۲ تا ۳_ مزید دیکھئے: Ziya-ul-Hasan Faruqi, The Deoband School and the Demand for Pakistan (Bombay and New Delhi: Asia Publishing House, 1963), pp. Idem,The Muslim 5-7; Qureshi, Ulema in Politics, pp. 144-146; Community, pp. 221-225 ;Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 189, 196-197.

۶۴_ مہر، سید احمد شہید، ص ۱۱۶_۱۲۱، ۱۴۸، ۱۵۷ و ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۵۴_۱۵۸، ۲۶۰

۶۴_ ب، ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۵۸_۱۶۰_

۶۵_ مہر، سید احمد شہید، ص ۱۴۲، ۱۴۶ و ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۹۰، ۱۹۳؛ عبیداللہ قدسی، آزادی کی تحریکیں (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۸ء)، ص ۸۷_۸۹، ۹۱_۹۳

۶۶_ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ابواب ۱۵ تا ۱۹، ۱۱، ص ۱۵۸_۱۸۲، ۲۳۳؛ شیخ محمد اکرام، موج کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)، ص ۱۶

۶۷_ سرسید احمد خان، آثار الصنادید (نئی دہلی: اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۰ء)، جلد ۲، ص ۳۷؛ مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۷_۴۸

۶۸_ شاہ محمد اسحاق کی جانشینی کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید احمد خان، آثار الصنادید، جلد ۲، ص ۹۱؛ عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر

۶۹_ شاہ اسحاق، ان کے برادر شاہ محمد یعقوب اور داماد مولوی سید نصیر الدین کی تحریک مجاہدین کے لیے خدمات کے بارے میں ملاحظہ ہو: غلام رسول مہر،

سرگزشت مجاہدین (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن)، ص ۱۲۹۔۱۳۰؛ وہی مصنف؛ اکرام، موج کوثر، ص ۳۲۔۳۵، ۴۰۔۴۱؛ محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۲۹۔۱۴۰؛ وہی مصنف، حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (کراچی: الرحیم اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)، ص ۳۶، ۴۷، ۴۸، ۶۶۔۶۹، ۹۰۔۹۱

۷۰۔ مہر، سرگزشت مجاہدین، ص ۱۴۰۔۱۴۵؛ مزید دیکھیے: J.O'Kinealy, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, 51:101 (July 1870), pp. 188-189.

۷۱۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: J. O'Kinealy, "A Sketch of the Wahhabis in India Down to the Death of Sayyid Ahmad in 1831-I", Calcutta Review, vol. 50, no. 100 (April 1870), pp. 73-104; Idem, "The Wahhbis in India-II", Calcutta Review, vol. 51, no. 101 (July 1870), pp. 177-192; Idem, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, vol. 51, no. 102 (October 1870), pp. 381-399; M A Bari, "A Comparative Study of the early Wahhabi doctrines and contemporary reform movements in the Indian Islam", Oxford University D. Phil, Thesis, 1953, p. 147, and passim; Farhan Ahmad Nizami, " Madrasahs, Scholars and Saints: Muslim Response to the British Presence in Delhi and Upper Doab 1803-1857", D. Phil. Thesis, Faculty of Modern History, University of Oxford, 1983, pp. 156-165; Shaukat Ali, Islam and the Challenge of Modernity: An Agenda for the Twenty First Century (Islamabad: NIHCR, 2004), p. 115;Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 189-198.

۷۲۔ M. A. Bari, "A Nineteenth-Century Muslim Reform Movement in India", in George Makdisi (ed.), Arabic and Islamic Studies in Honor of Hamilton A. R. Gibb (Leiden: E. J. Brill, 1965), p. 94.

۷۳۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (مترجم: صادق حسین) (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۳۶ء)، ص ۲۰۴، ۲۰۵

۷۴۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۷۵۔ مدنی، نقش حیات، ج ۲، ص ۱۳، ۱۴

۷۶۔ مکتوبات سید احمد شہید (قلمی نسخہ)، ص ۹۶، ۱۸ بحوالہ [illegible] ۱۳۵۱، ۱۳۵۱؛ "تحفظ علوم [illegible]" بحوالہ فیصل احمد ندوی، تحریک آزادی میں علما کا کردار ۱۸۵۷ء سے پہلے (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)، ص ۴۷

۷۷۔ معین الدین عقیل، "تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرت افغانستان اور اس کے اثرات"، مشمولہ [illegible] تحریکات ملی نمبر (کراچی)، ۱۹۸۲ء۔۱۹۸۳ء، ص ۱۹۹؛ مزید دیکھیے: J.O'Kinealy, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, 51:102 (Oct. 1870), p. 386.

۷۸۔ ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۲۰۵

۷۹۔ دیکھیے سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ ۶، جلد ۱؛ مزید دیکھیے J. O'Kinealy, "A Sketch of the Wahhabis in India Down to the Death of Sayyid Ahmad in 1831", Calcutta Review, 50:100 (April

1870), p. 81.

۸۰۔ سید احمد شہید، صراط مستقیم (ملفوظات سید احمد شہید)، بحوالہ سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید (کراچی: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۹۷۵ء)، ج ۱، ص ۳۱۶

۸۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مکاتیب سیّد احمد شہید (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)۔ مزید دیکھیے مہر، سید احمد شہید (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن)، ج ۱، ص ۳۲۳۔۳۲۵؛ غلام رسول مہر، جماعت مجاہدین (لاہور: کتاب منزل، س۔ن)، ص ۱۱۔۱۵؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۰۷۔۳۱۵

۸۲۔ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۲۳

۸۳۔ مکاتیب سیّد احمد شہید (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)، ص ۲۵۔۲۶، ۴۷؛ ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۱۰۔۳۱۱

۸۴۔ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۹۷۔۱۱۰؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۱۱

۸۵۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مکاتیب سید احمد شہید، ص ۱۹ الف، ۱۳، ۱۸، ۱۹، ۲۵، ۲۸، ۲۹ الف، خصوصاً ص ۲۶، ۴۷، ۲۷، ۹۷ الف، ۸۰۔ سید احمد شہید کے مکاتیب میں جہاد و ہجرت کے مباحث کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: محمد اسلم، "پیش لفظ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید: قلمی نسخے کا عکسی ایڈیشن (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)، ص ۱۱۔۳۰؛ محمد ایوب قادری، "مقدمہ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۲۱۔۳۰۔ مزید دیکھیے: A. S. Bazmee Ansari, "Sayyid Ahmad Shahid in the Light of his Letters", Islamic Studies, vol. XV, no. 4 (Winter 1976), pp. 231-245. سید احمد کی تحریک جہاد کے مقاصد کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی، سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۳۰۔۳۳۴؛ محمد ایوب قادری، "مقدمہ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۳۸۔

۸۶۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات (کراچی: پاک اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)؛ سید خورشید مصطفی رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء (لاہور: پولیمر پبلشرز، ۲۰۰۷ء)؛ فیصل احمد ندوی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار ۱۸۵۷ء سے پہلے (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)۔

۸۷۔ فرائضی تحریک کے قائدین کے فتاویٰ دارالحرب اور غیر مسلم اقتدار کے خلاف جہاد کے بارے میں ان کے نظریات کیلئے دیکھئے: Muin-ud-Din Ahmad Khan, History of the Fara'idi Movement in Bengal, 1818-1906 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1965), pp. 70-79; Syed Moinul Haq, The Great Revolution of 1857 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1968), pp. 53-54.

۸۸۔ محمد ایوب قادری، "فتویٰ دارالحرب سے تحریک موالات تک برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا مختصر خاکہ"، سہ ماہی (کراچی)، سلسلہ مطبوعات نمبر ۶ (س۔ن)، ص ۲۶۔۲۷؛ فیصل احمد ندوی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار، ص ۳۰۰۔۳۰۷۔ علمائے سندھ میں سے مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی، مخدوم محمد ٹھٹھوی، میاں عبدالرسول چوٹیاری، اور مولانا عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم کے فتاویٰ کے متن اور ان کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ، ص ۱۹۸۔۲۰۱

۸۹۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: سید خورشید مصطفی رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند، ص ۳۲۷۔۳۳۸؛ محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، ص ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۴۰، ۵۸۸۔۵۹۱؛ ندوی مصنف، "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد اور اس کے مفتیان"، المعارف (لاہور)، مئی ۱۹۷۶ء، ص ۶۔۷ [کل صفحات ۵ تا ۱۷]؛ محمد اکرام چغتائی (مرتب)، ۱۸۵۷ء: روزنامچے، معاصر تحریریں، یادداشتیں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۴۲۔۵۴۳۔

۹۰۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ: (۹۱) مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ فتویٰ "مسئلہ فی علوم فی دارالحرب و دارالاسلام" کے عنوان سے چھپا تھا، جس کا اردو

ترجمہ اور شرح مفتی محمد شفیع نے کیا ہے "کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟" کے عنوان سے مکتبہ دارالتبلیغ، دیوبند، سہارن پور سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا۔ مولانا رشید احمد کا یہ فتویٰ اب ان کے مجموعہ تالیفات میں شامل ہے۔ مکمل فتویٰ کے لیے دیکھیے: مولانا رشید احمد گنگوہی، تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۶ء)، ص ۶۵۳-۶۶۸

۶۱۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، تالیفات رشیدیہ، ص ۶۵۵، ۶۵۶-۶۵۷، ۶۶۰-۶۶۷، ۶۶۸۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ دارالحرب کے اسباب و محرکات نیز اس موضوع سے متعلق ان کے دیگر فتاویٰ کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: نورالحسن راشد کاندھلوی، "حضرت مولانا گنگوہی کا تاریخی فتویٰ" سہ ماہی احوال و آثار (کاندھلہ، ضلع مظفر نگر)، ۱:۲ (اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۴ء)، ص ۷۷-۱۰۲

۶۲۔ دارالحرب کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (مترجم: صادق حسین) (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۴ء)، ص ۲۰۷-۲۰۸؛ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ (لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۹۰-۱۳۸۹ھ/۱۹۷۱ء)، جلد ۲، ص ۱۹۱-۱۹۵، ۳۴۲-۳۴۵؛ نواب سید محمد صدیق حسن خان، ترجمان وہابیہ (لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ)؛ ابوسعید محمد حسین لاہوری، الاقتصاد فی مسائل الجہاد (لاہور: وکٹوریہ پریس، س۔ن)؛ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی، مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی (اردو، کتاب الحروب) (کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء)، ص ۵۰۲۔ مزید دیکھیے:

Muhammad Mohar Ali (Ed.), Autobiography and other Writings of Nawab Abdul Latif Khan Bahadur (Chittagong:The Mehrab Publications,1968), p. xiv and esp. pp. 107-142; Enamul Haque, Nawab Bahadur Abdul Latif : His Writings and Related Documents (Dacca: Samudra Prokashani, 1968), pp. 78-110; W. W. Hunter, Our Indian Musalmans: Are They Bound in Conscience to Rebel Against the Queen? (London, 1872), pp. 123-124, 201; Khan, History of the Fara'idi Movement in Bengal, pp. 79-80, 89-103;P. Hardy, The Muslims of British India (Cambridge: Cambridge University Press, 1972), pp. 50-51,110-111, 114; Peters, Islam and Colonialism, p.51; Bashir Ahmad Khan, "The Shifting Paradigms of the Ahl-i-Hadith vis-a-vis the British Rule", Islam and the Modern Age, vol. xxxv, no.1 (2005), pp. 113-116; Ayesha Jalal, Partisans of Allah: Jihad in South Asia (Cambridge, MA/ London: Harvard University Press, 2008), cahp. 4, pp. 114-175.

۶۳۔ Hardy,The Muslims of British India, pp.108-110; M. Mohar Ali, "Hunter's "Indian Musalmans": A Re-Examination of its Background", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, No. 1 (1980), pp. 30-51;

۶۴۔ دیکھیے: ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۶۹، ۳۰۲-۳۰۷۔ مزید دیکھیے: M. M. Ali, "The Bengal Muslims' Repudiation of the Concept of British India as Dar al-Harb", Dacca University Studies, vol. xix (1971), Part A, pp. 47-58; Rahmani Begum, Sir Syed Ahmad Khan, The

Politics of Educational Reform (Lahore: Vanguard Books Ltd., 1985), pp. 129-130.

۶۵۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۸ء، "مقدمہ" ص ۳۸۔۴۹، ۳۲۔۳۴، ۶۵، "مکتوبات فارسی" ص ۹۔۳۸، ۲۲۰، ۲۳۳۔ مزید دیکھیے: Khaliq Ahmad Nizami, "Shah Waliullah: his Work in the Political Field", in A History of the Freedom Movement : Being the Study of Muslim Struggle for the Freedom of Indo-Pakistan, 1707-1831 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1957), vol. 1, pp. 531-532 ; Qureshi, Ulema in Politics, pp. 112-113; Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 117-132. .

۶۶۔ دیکھیے: Nizami, "Shah Waliullah: His Work in the Political Field", pp. 538-539.

۶۷۔ شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے بارے میں محمود احمد غازی کا نقطۂ نظر بڑا متوازن معلوم ہوتا ہے۔ محمود احمد غازی نے شاہ عبدالعزیز کے زیر بحث فتاویٰ کے سیاسی و قانونی مضمرات کے ساتھ ساتھ ان کے اقتصادی مضمرات کی بھی پوری رعایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 171-177 and passim.

اعلیٰ سطحی جامعاتی تحقیق کا معیار۔۔۔۔۔لمحۂ فکریہ

(پی ایچ۔ڈی کے مقالے "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" کے تناظر میں)

پروفیسر غازی علم الدین
میرپور، آزاد کشمیر

Abstract

Basic requirement of research at the university level is that it should be unprejudiced. Personal liking or dislilking should be set aside. One's personal point of view about anything must not be imposed and other's point of view must not be condemned for nothing. There should be a significant difference between research and debate. Research sould be based on logic and reference. Muhammad Deen Qasimi has critically reviewed Tafseer "Matalib-Ul-Furqan" by Ghulam Ahmed Pervaiz in order to get his Ph.D degree. But he seems to be impartial in his research. He has wrongly portrayed the personality and work of Ghulam Ahmed Pervaiz merely on sectarian basis.

In this article, objectionable research approach of Muhammad Deen Qasimi, his prejudice and faulty remarks about the Two Nation Theory and the Quaid-e-Azam have been highlighted.

آج ہر ذی شعور بالخصوص نسل نو دین اسلام کی من مانی تعبیر و تشریح، نظری و فکری انتشار اور مسلکی کلچر سے بیزار نظر آتی

ہے۔ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں بیسویں صدی عیسوی بہت ہنگامہ خیز رہی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب استعمار اپنی بقا کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ دو عالمی جنگوں کے نتیجے میں شکست و ریخت کے بعد وہ یہاں سے چلتا بنا لیکن جاتے جاتے برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کو کئی فتنوں اور صدمات سے دوچار کر گیا۔ مختلف مکاتیب فکر، مسلکوں اور مذہبوں نے جنم لے لیا۔ جس کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر دینِ اسلام کی من مانی تعبیر، تعصب، نفرت اور تفرقے کا زہر گھول دیا گیا۔ دین کے نام پر قائم کیے گئے مدارس میں سے تحمل، بردباری، وسعتِ نظری اور تحقیقی رویے دم توڑتے چلے گئے۔ مساجد کے اندر مواعظ و خطبات نے تحقیقی انداز فکر کے بجائے مناظرانہ رنگ پکڑ لیا۔ تنقیص اور تکفیری رویوں کو جلا ملی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی غالب اکثریت اس فریب کے جال میں پھنس گئی۔

افسوس کا مقام ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اعلیٰ سطحی تعلیمی اداروں، بالخصوص حکومتی سرپرستی میں قائم یونی ورسٹیوں میں تعصب کی حکمرانی رہی۔ معیار کی معراج، وسعتِ فکر و نظر، غیر جانب داری اور اعلیٰ ظرفی کے امتیاز کو برقرار نہ رکھ سکے۔ جامعات میں کیا جانے والا اعلیٰ سطحی تحقیقی کام اپنے معیار، استناد اور نتائج کے اعتبار سے افراط و تفریط کا شکار ہے۔ معارفِ اسلامیہ کے شعبے ہی کو لیجیے، پی ایچ۔ ڈی کی سطح کے بیشتر تحقیقی مقالات موضوعات کے انتخاب کے حوالے سے محلِ نظر ہیں۔ اصولِ تحقیق اور قواعد و ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض اپنے نقطۂ نظر، فکر، مسلک اور من پسند شخصیت کو اجاگر کیا جا رہا ہے۔ اپنے مخالف نقطۂ نظر، فکر، مسلک اور شخصیت کی تنقیص کی جا رہی ہے۔ میرے نزدیک تحقیق اور مناظرے میں تمیز اٹھ گئی ہے۔

اس تحریر کو اپنے قارئین تک پہنچانے کا محرک پچھلے چند ماہ سے راقم کے مطالعے میں رہنے والا دو ضخیم جلدوں میں، باریک کتابت میں لکھا ہوا A-4 سائز کے ۱۲۷۴ صفحات پر مشتمل پی ایچ۔ ڈی کا بسیط مقالہ ہے۔ مقالے کا عنوان "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" ہے۔ مقالہ نگار جناب حافظ محمد دین قاسمی ہیں۔ مقالے کے نگران پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی مرحوم تھے۔ پنجاب یونی ورسٹی لاہور نے اس مقالہ کی تکمیل پر جناب حافظ محمد دین قاسمی کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ، لاہور نے اس تحقیقی مقالے کو بغیر کسی تبدیلی کے تمام تر خصائص و نقائص کے ساتھ شائع کیا ہے۔ حافظ محمد ادریس ڈائریکٹر ادارہ معارفِ اسلامی نے دو صفحوں پر مشتمل پیش لفظ کا اضافہ فرمایا ہے۔

تفسیر "مطالب الفرقان" جناب غلام احمد پرویز کی تخلیقی اور فکری کاوش ہے۔ مقالہ نگار حافظ محمد دین قاسمی نے جناب غلام احمد پرویز کے نظریات کا محاکمہ اور ابطال کیا ہے۔ راقم الحروف اپنی اس تحریر میں جناب غلام احمد پرویز کی شخصیت اور فکر کے بجائے محض مقالے کے معیار، اسلوب، پاکستان مخالف نظریات، کانگریس کی ہم نوائی، قائد اعظم شکنی اور مقالے میں برتی جانے والی زبان پر بحث کرنا چاہتا ہے۔ راقم اپنے بارے میں پیدا ہونے والی کسی غلط فہمی سے بچنے کیلئے حدیثِ رسول ﷺ کی بابت اپنے عقیدے، نظریے اور فکر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔ راقم الحروف کا عقیدہ ہے کہ اگر ہم سنت اور حدیث (مستند اور صحیح ہو۔ قرآن کی روح اور متن کی نقیض نہ ہو) سے دست کش ہو جائیں تو دینِ اسلام کی بلند و بالا عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

جناب پرویز کے حدیث مخالف افکار کے جواب میں معاصر علماء نے اپنی طرف سے دین کی درست تعبیر و تشریح کرنے کی

کوشش کی اور پرویز کے فکر کے مقابل ایک توانا دینی ادب تخلیق ہوا۔ حافظ محمد دین قاسمی کی طرف سے جناب پرویز کی تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ، اس دینی ادب میں ایک اضافہ ہے۔ مقالہ نگار نے پرویز صاحب کے افکار کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، اُسے اعتراف ہے کہ

> ''جناب پرویز کی عبارت کی دل کشی، اسلوب نگارش کی شگفتگی، الفاظ کی جاذبیت اور ادب کی چاشنی پر مشتمل ان کا لٹریچر اس (مصنف) کی آنکھوں کے لئے وجۂ جاذبیت اور قلب و دماغ کیلئے باعث مسحوریت بن گیا'' (ص ۲۳)

مقالہ نگار جناب پرویز سے یک گونہ متاثر ہوا لیکن تقابلی مطالعہ کے بعد اپنی رائے کو تبدیل کر لیا۔ جناب پرویز کی فکر کے رد کی بابت مقالہ نگار کی نیت، محنت اور جذبہ قابل قدر ہے۔ ان کا موقف بھی بہت حد تک درست ہے لیکن اس کام کو پرکھنے، جانچنے اور اس کے معیار کو متعین کرنے میں کسی نقاد اور تجزیہ کار کا پیرامیٹر عام قاری سے ہٹ کر ہوگا۔ مقالہ نگار کے کام، اسلوب اور ذہنی پرداخت کے حوالے سے فنی، تحقیقی، ادبی نظریاتی اور اخلاقی سطح پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہیں فاضل مقالہ نگار اسے کسی اور رنگ میں نہ لے لیں۔ ان کے کام میں محل نظر مقامات کی ایک طویل فہرست بنتی ہے جس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے لیکن یہاں مشتے از خروارے کے طور پر چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مصنف کا دعویٰ ہے کہ حکومت پاکستان جناب پرویز کے نظریات کی سرپرستی کرتی رہی اور سرکاری سطح پر فکر پرویز کی اشاعت ہوتی رہی۔ پیش لفظ میں حافظ محمد ادریس (ڈائریکٹر ادارہ) نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے:

> ''انگریزوں نے اپنے جانے کے بعد مسلمان ملکوں میں اپنے فکری شاگردوں کو مسلط کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کے مطابق پاکستان میں بھی، آزادی کے بعد، گورے انگریزوں کی جگہ کالے انگریزوں کی حکومت رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے منحرف ہر کردار کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوتی چلی گئی، تاکہ وہ اہل حق کے مقابلے پر حکومت کی ہاں میں ہاں ملائے اور اسے فکری و نظری معاونت فراہم کرتا رہے۔ اس کے بدلے میں حکومتوں نے ان فتنہ پرداز عناصر کی بھرپور سرپرستی کی۔ غلام احمد پرویز کی مسموم فکر سرکاری سرپرستی و وسائل ہی کی بدولت امت کے اندر سرایت کرتی رہی۔ ہر روشن خیال حکمران کو پرویزی نظریات اپنی سوچ اور مفادات کے قریب تر نظر آئے اور انھوں نے بھی کبھی بلند آہنگ انداز میں اور کبھی دھیمے سروں میں اس فتنے کی آبیاری کی'' (ص ۲۱)

ان ہر دو فاضلوں کو اپنے دعویٰ میں کوئی تو ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا کہ کیا کسی حکومت نے جناب پرویز کے لٹریچر کو سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر نصاب کا حصہ بنایا؟ الیکٹرانک میڈیا پر فکر پرویز کی تشہیر کی گئی؟ یا سرکاری پرنٹ میڈیا فکر پرویز کا ترجمان رہا ہے؟ مذکور اقتباس میں بیان کی گئی سوچ کے اس انداز میں حقیقت کے بجائے بدگمانی اور تعصب غالب ہے۔ زبان اور لب ولہجہ بھی تحقیقی آداب کے منافی ہے۔ کالے انگریزوں..... فتنہ پرداز عناصر..... مسموم فکر اور روشن خیال حکمران..... جیسی تراکیب اور

اصطلاحات کسی محقق کی زبان اور قلم کو زیب نہیں دیتیں۔

بات اگر پیش لفظ ہی سے شروع کی جائے تو کسی بھی نقاد، تجزیہ نگار اور محقق کو جناب حافظ محمد ادریس (پیش لفظ نگار) کا یہ جملہ علمی اور متوازن سطح کا محسوس نہیں ہوگا۔

> ..... "مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اس (پرویز) نے بھی کئی پینترے بدلے۔ اس نے کئی جنم لیے اور ہر جنم کے ساتھ اس کی کینچلی تبدیل ہوتی چلی گئی" (ص ۲۱)

تحقیقی بیان میں یہ لب ولہجہ غیر علمی اور اعتدال سے ہٹ کر ہوتا ہے اور پھر فاضل پیش لفظ نگار کی اپنی تحریر کے ذریعے نامناسب محاورے کے استعمال سے ایک باطل نظریے (ایک سے زیادہ جنم کا ہونا) کا پرچار ہو رہا ہے۔ پیش لفظ نگار کا حافظ محمد دین قاسمی (مقالہ نگار) کو "عظیم سکالر" (ص ۲۲) کہنا جہاں غلو کی حدوں کو چھونے کے مترادف ہے وہاں علمی انکسار کے بھی منافی ہے۔

تحریک آزادی کے حوالے سے مقالہ نگار کا موقف، رائے اور واقعاتی احصاء بھی محل نظر ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ اور تحریک آزادی کے بارے میں مقالہ نگار کا اپنا مطالعہ سطحی ہے۔ جناب مقالہ نگار کی کئی واقعات کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکی۔ سرسید احمد خان کے بارے میں ان کی یک طرفہ رائے تحقیقی رویے کے منافی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سرسید احمد خان کے اجتہادی فکر سے کھل کر اختلاف رائے کیا جاتا رہا ہے۔ قرآنی مسائل کے حوالے سے ان کی بعض تاویلات مسلم اُمہ کے لئے قابل قبول نہیں رہی ہیں لیکن اس کے باوجود انھیں کافر یا مرتد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے لئے ان کی دینی، سیاسی، اصلاحی اور تعلیمی خدمات ایک اٹل حقیقت ہیں۔ مقالہ نگار کا علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے خلاف یک طرفہ طور پر فتویٰ بے جا ہے۔ سرسید وہی مرد دانا ہے جس کے بنائے ہوئے تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے والوں کے ماں باپ کے نکاح ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان اداروں سے فاضل مقالہ نگار جیسے لوگ پڑھ کر نکلے اور آج اپنا کماتے کھاتے ہیں، بحمد اللہ دین دار بھی ہیں اور مدارس کی خدمت بھی کرتے ہیں۔

جناب مقالہ نگار نے ذہن السطور جمعیت علماء ہند کے کانگریس کی ہم نوائی کے موقف کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دو قومی نظریہ، مسلم لیگ، تحریک پاکستان اور قائد اعظم محمد علی جناح کے حوالے سے ان کی سوچ اور رائے پہلے سے طے شدہ ہے۔ اس بابت ان کے تعصب کا اظہار تحقیقی اسلوب اور رویے کے منافی ہے۔ اسلام کے بارے میں قائد اعظم کے مطالعے اور معلومات کو بغیر کسی پیرامیٹر کے متعصبانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قائد اعظم کے مطالعہ اور فقہی علم کے بارے میں مقالہ نگار کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر قائد اعظم کا اسلام کے بارے میں مطالعہ سطحی ہوتا تو وہ دو قومی نظریے پر زور نہ دیتے۔ قانون وقف علی الاولاد کا مقدمہ نہ جیتتے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل لاء کے عالم تھے۔ وہ عملاً کسی بھی فرقے سے وابستہ نہیں تھے۔ اثنا عشری مسلک کے بجائے ان کا رجحان مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر کئی علماء اور مشائخ کی طرف تھا۔ ان کی نماز جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔ کسی بھی فرقے (بشمول اثنا عشری) نے اعتراض نہیں کیا تھا کہ اہل السنت والجماعت کے عالم دین نے نماز جنازہ کیوں پڑھائی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار کے

لب و لہجے سے تضحیک جھلکتی محسوس ہوتی ہے۔ ''قائد اعظم اور پرویز ...... باہمی تعلقات'' کے عنوان سے ساری بحث (ص ۸۷تا۹۰) تعارض و تناقض کا شکار ہے۔ ان کی تحقیق کے بعض حصے بعض کے نقیض ہیں۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

''قائد اعظم اگرچہ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے لیکن اسلام کے متعلق ان کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا'' (ص ۸۷)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''البتہ انگریزی زبان کو وہ خوب سمجھتے، جانتے، بولتے اور لکھتے تھے۔ قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کا جو مطالعہ انھوں نے کیا تھا وہ اسی زبان کے ذریعے کیا تھا'' (ص ۸۷)

یعنی اسلام کے بارے میں قائد اعظم کے مطالعہ کی نفی بھی کرتے ہیں اور انھیں یہ بھی اقرار ہے کہ قائد اعظم نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ مقالہ نگار کی سوچ سے تحریک پاکستان، قائد اعظم اور دوقومی نظریہ کے بارے میں ان کا ذہنی انتشار اور تعصب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اسلام کی بنیاد پر تحریک پاکستان کو مؤثر حیثیت دینے کے لئے اور پبلک کا سامنا کرنے کیلئے ضروری تھا کہ نہ صرف اسلام کا نام لیا جائے بلکہ اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی بہم پہنچائی جائیں'' (ص ۸۷)

مقالہ نگار کی علمی خیانت ان کے پورے تحقیقی منصوبے کی وقعت کو صفر کردیتی ہے۔ تحریک آزادی اور قائد اعظم پر اس قدر لٹریچر تخلیق ہو چکا ہے۔ قائد اعظم کی ذاتی اور سیاسی زندگی پر درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انگریز حتیٰ کہ ہندو مصنفین نے بھی ان کی سیاست، دیانت، فراست اور اعلیٰ کردار کو دل کھول کر سراہا ہے۔ لیکن مجال ہے کہ مصنف نے ان میں سے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہو۔ حوالہ کیسے دے سکتے ہیں کہ اس بابت ان کا وسیع مطالعہ تو بالکل ہی ہے۔ انھوں نے تو اپنا تعصب، نفرت اور ذہنی انتشار صفحۂ قرطاس پر انڈیل دیا ہے۔ مقالہ نگار کے علم میں ہونا چاہیے کہ تحریک آزادی، مسلم لیگ اور قائد اعظم پر مشتمل برسوں کا تاریخی ریکارڈ تقریباً ستر ہزار صفحات کی تعداد میں اپنی اصل حالت میں نیشنل آرکائیو اسلام آباد میں محفوظ ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں تاریخ کے اساتذہ و طلبہ، محققین اور مصنفین اس ریکارڈ سے استفادہ کر چکے ہیں۔ قائد اعظم اور مسلم لیگ کے حوالے سے اب کوئی بات اخفاء میں نہیں رہی۔ خود ساختہ تعصبات کو پالنے اور پھیلانے سے بہتر ہے کہ اپنے مطالعہ کو وسعت دے کر حق بات تک رسائی حاصل کی جائے۔

تحقیق کی زبان اور اسلوب سراسر علمی ہوتا ہے۔ اس میں کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ مناظرہ تحقیق کی ضد ہے لیکن مقالہ نگار کا انداز، زبان اور اسلوب سو فی صد مناظرانہ ہے۔ ان کے اپنے جذبات، پسند و ناپسند اور فکر کتاب کے لفظ لفظ سے ٹپک رہے ہیں۔ غلام احمد پرویز کو وہ دین کے حصار میں بند کر کے ہر جگہ نام کے بجائے ''منکر قرآن'' لکھا ہے۔ یہ تضحیک کسی طور پر بھی تحقیق کو گوارا نہیں ہوتی۔ اس تحقیقی مقالے کے کچھ عنوانات بھی ملاحظہ فرمایئے جس سے مقالہ نگار کے نفسیاتی اور ذہنی خلجان کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

''جھوٹ سوفی صد جھوٹ'' ..... ''سوال گندم جواب چنا'' ..... ''اخلاقی نامردی'' ..... ''پرویزی حیلے'' .....
''منکرِ قرآن کا دورِ خاین'' ..... ''منکرِ قرآن کی چال بازی'' ..... ''علی گڑھ سیلابِ مغربیت کا دروازہ''
..... ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا'' ..... ''خارزارِ تضادات پرویز'' ..... ''زعماءِ مسلم لیگ کی جان کو
دوگونہ عذاب'' ..... ''ایک عذر لنگ کا سہارا'' ..... ''منکرِ قرآن کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری'' .....
''منکرِ قرآن کی سخن سازی'' ..... اور ''منکرِ قرآن کا خاصہ مزاج''

اعلیٰ سطحی جامعاتی تحقیق کے لئے نہ تو یہ اسلوب ہے اور نہ ہی اس کی اجازت۔ جناب مقالہ نگار شدتِ جذبات میں اپنی زبان نامناسب حد تک لے جاتے ہیں۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

''وہ اس تلخی اور غلاظت کے ساتھ برستے ہیں کہ عام قاری بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ شاید ان کے منہ میں زبان نہیں بلکہ بچھو کا ڈنک ہے'' (ص ۶۸۴۔ جلد دوم)

مقالہ نگار کا پست زبان سے اپنے ذہن اور زبان کو آلودہ کرنا بھی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اسے اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ انسان کے اندر وہبی طور پر موجود ذوقِ سلیم اور اخلاقی تربیت انسانی مزاج اور طرزِ فکر کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔ پڑھے لکھے اور باشعور آدمی کا طرزِ کلام وہ نہیں ہوتا جو ان صفات سے عاری لوگوں کا ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی کوئی غیر معیاری لفظ بڑی بے نیازی کے ساتھ اپنی زبان سے نکال سکتا ہے مگر ایک مہذب آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔

''حرفِ آخر ..... خلاصۂ مقالہ'' میں رقم طراز ہیں:

''وہ نہ تو صحتِ عقائد اور سلامتیٔ فکر ہی کا حامل ہے اور نہ تقویٰ و دیانت کا جوہر اس کے طرزِ عمل میں پایا جاتا ہے'' (ص ۷۲۵۔ جلد دوم)

مقالہ نگار نے غلام احمد پرویز کے لئے ''عقائدِ فاسدہ''، ''افکارِ زائغہ''، ''تلوّن مزاج''، ''غیر متوازن شخصیت'' اور ''کبر نفس کا شکار'' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مانا کہ غلام احمد پرویز اپنے افکار کی بدولت ایک طبقے کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیت ہیں لیکن اس کے باوصف مقالہ نگار کو مناظر کے بجائے محقق کا لب و لہجہ اپنانا چاہیے تھا۔ غصہ، تعصب اور نفرت کے اظہار سے قابلِ قدر تحقیقی کام بھی مشکوک اور محلِ نظر بن جاتا ہے۔

اس تحقیقی منصوبے میں مقالہ نگار کی شخصیت اور فکر کا ایک انتہائی خطرناک بلکہ خوفناک پہلو عیاں ہوتا ہے۔ مسلکی تعصبات اور عدمِ رواداری کے رویے مقالہ نگار کی نفسیاتی بیماری اور ذہنی خلفشار کو طشت ازبام کرتے ہیں۔ وہ فقہی تقلید کے سخت خلاف ہے لیکن شدتِ جذبات میں وہ آئمہ کبار اور مغربی منکرین کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے ان سے اظہارِ بے زاری کرتا ہے:

''قارئین کی نگاہیں خود دیکھ لیں گی کہ مقالہ نویس جس طرح امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام داؤد ظاہری اور سفیان ثوری وغیرہم کی تقلید سے بے زار ہے بالکل اسی طرح وہ کارل مارکس، لینن، ہیگل، ڈارون اور برگساں جیسے ملاحدہ کی تقلید سے بھی سخت بے زار ہے'' (ص ۲۱۔ جلد اول)

اس جملے کی ترکیب سے مذکورہ ترکیب کبار بھی الحاد کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ علاوہ بریں اس سے تو مقالہ نگار کی دریدہ دہنی ثابت ہوتی ہے۔

مقالہ نگار نے غلام احمد پرویز کو دیانت داری سے پورٹریٹ نہیں کیا۔ جناب غلام احمد پرویز کو کافر، مرتد اور متنبی (جھوٹا نبی) قرار دے کر مقالہ نگار نے نہ تو احتیاط کے تقاضے نبھائے ہیں اور نہ ہی علمی و تحقیقی رویے کی پاس داری کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جناب پرویز کو فکری اعتبار سے گمراہ قرار دیا جا سکتا ہے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ فنی اعتبار سے اس کتاب کا جائزہ لیا جائے تو یہ باور کرانا ضروری ہے کہ جامعاتی سطح پر ایجاز و اختصار تحقیق کا جوہر ہوتا ہے۔ مصنف ایجاز و اختصار کے ہنر اور تحقیقی مواد کے حسین استعمال کے فن سے متصف نہیں ہے۔ دست یاب ہونے والے سبھی مواد کو اختصار اور سلیقے کے بغیر دو ضخیم جلدوں میں بھر دیا ہے۔ تحقیق نگاری میں املائی اغلاط کا عیب تحقیقی معیار کو گرا دیتا ہے۔ اس مقالے میں شروع سے آخر تک اغلاط کے ایسے نمونے اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اعلیٰ ثانوی سطح پر نصاب اسلامیات کے معاشرتی زندگی پر اثرات کا تنقیدی جائزہ

پروفیسر مطیع اللہ سہارن
رکن: سندھ پروفیسرز لیکچررز ایسوسی ایشن

Abstract

Critical study of the impact of higher secondary Curriculum of Islamiat on Social Life

Allah has created human beings. Islam is the best religion for human guidance. Translation of a verse of Holy Quran is "Without any doubt the religion in eyes of Allah is only Islam". Allah has promised to muslims "If you will be true bleiver then you will get real success". The purpose of the study was to study the present day world's Muslim Ummah is facing cruelty from all other nations. Instead of success Ummah is down to earth. Currently at higher secoundary level Islamiat is taught to the youth as compulsory subject. Up to what extent the present curricula fulfill the needs of youth? What sort of impact created on social life? Study specifically focussed on why Muslim Ummah is not attending the peak of believes, economic & political development, expressing higher civilized and cultural values and knowledge & Skills in the social and natural sciences. Researchers has critically evaluated the reasons. The strategy of research was survey. Stratified random sampling

design was adopted. The overall sample size was 175 teachers of Islamiat from colleges and higher secoundary schools from 18 towns of Karachi. Data were collected through personal visits and by mail. A quastionnaire comprised of 40 items along with an interview protocol of 15 brood questions were designed data were statistically analyzed by using tables, percentages and cummulative frequencies. The major finding regarding deteriorating situation of Muslim Ummah is due to differences among various sects of disregard, illiteracy, poverty, political system in society, ill behaviours of teachers like absenteesism, racism and community behaviour, lack of educational environment and irrelevance of curricula with present day needs. The major cause is due to lack of appropriate knowledge. Due to ego each sect term others as non believers. There is an urgent need to modify the present curricula. Concrete recommendations are given so that positive impact is created on society.

کلیدی الفاظ کی تعریف

(۱) اعلیٰ ثانوی سطح: پاکستان میں جاری نظام تعلیم کے لحاظ سے گیارہویں اور بارہویں جماعت جن کو ہائیر سیکنڈری اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے۔

(۲) نصاب اسلامیات: گیارہویں جماعت کو لازمی اسلامیات کا منظور شدہ نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ زیر مطالعہ اسلامیات لازمی ہے جو سائنس، آرٹس، کامرس اور ہوم اکنامکس تمام گروپوں کو پڑھایا جاتا ہے۔(۱)

(۳) معاشرتی زندگی پر اثرات: معاشرے میں عدل و انصاف و مساوات اور امن و امان کے حوالے سے معاشرتی اثرات کا جائزہ۔(۲)

تعارف

پاکستان نظریاتی لحاظ سے ایک اسلامی ملک ہے۔ اس نظریہ کی تکمیل کیلئے لازمی ہے کہ اللہ کے دین کی معلومات فراہم

کرنے والا اسلامیات کا مضمون پڑھایا جائے، اعلیٰ ثانوی سطح پر پہنچنے والے طلبا و طالبات جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی دینی تعلیم و تربیت اسلامی خطوط پر کی جائے۔ ان ہی نوجوانوں نے اپنے معاشرے میں عملی خدمات سرانجام دینی ہیں۔ لہٰذا اسلامیات کے مضمون کے نصاب کے معاشرے پر اثرات نظر آنے چاہئیں۔

مقصد: اعلیٰ ثانوی سطح کے نصاب اسلامیات کے معاشرے پر اثرات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ زیرِ نظر تحقیق کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اس خالق نے انسان کی رہنمائی کیلئے اسلام کو ہی اس کا دین قرار دیا ہے۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ. (۳)

بیشک دین تو اللہ کے پاس اسلام ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ:

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (۴)

اگر مومن ہو گے تو تم ہی سربلند رہو گے۔

اُمت مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کیلئے اسباب کا تعین کرنا۔ امت مسلمہ کی ترقی کیلئے تجاویز و سفارشات کا تعین کرنا۔ اُمت مسلمہ کو امن و عدل کے قیام کے لئے تجاویز فراہم کرنا۔

اتراق امت کے مرض کی تشخیص اور اس سے بچاؤ کی تدابیر کا تعین کرنا۔ اُمت مسلمہ کو قعرِ مذلت سے نکالنے کے طریقے معلوم کرنا۔ معاشرے کو حقیقی اسلامی شعائر سے مانوس کرنا۔

اُمت مسلمہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کرنا۔

وسعت: تحقیق کا دائرہ کار اعلیٰ ثانوی سطح کے اساتذہ، طلباء اور ان کے والدین تک محدود تھا۔

افادیت: تحقیق کے ذریعے اُمت مسلمہ میں حقیقی مساوات قائم کرنے میں معاونت کرنے والے اسباب کا پتہ چلے گا۔ اعلیٰ ثانوی تعلیم کی تکمیل کرنے والے افراد کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات اور ان کی اپنی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلی کو آئندہ نسلوں اور معاشرے میں مثبت تبدیلی کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے معاشرے میں علم و عمل میں ربط پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ معاشرے میں یکجہتی اور عدل و انصاف قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ تکفیر مسلم سے اجتناب کرنے کا فائدہ حاصل ہوگا۔ آئندہ نصاب سازی کرنے والوں کے لیے راہیں متعین ہوں گی۔ تحقیقی نتائج منصوبہ سازی میں معاونت کا کردار ادا کریں گے۔ یہ تحقیق موجودہ علمی ڈھانچے میں اضافے کا باعث ہوگی، جس سے معاشرتی مسائل حل کرنے میں معاونت ملے گی۔ نیز تحقیق آلات آنے والے محققین کے لیے ایک سمت کا تعین کریں گے۔ معاشرے میں امن و امان قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

متعلقہ ادب کا مطالعہ

(الف) اہمیت: اعلیٰ ثانوی سطح پر نصاب اسلامیات کے معاشرتی زندگی پر اثرات کی اہمیت اس بات سے ہے کہ یہ اللہ کے دین کا علم ہے۔ از آدم تا ایں دم، دنیا بھر کے انسان، بچے، بزرگ، جوان، عورت، مرد، خنثیٰ، آفاقی و ارضی مذاہب کے پیرو، ایک

اُن دیکھی طاقت و ہستی کا تصور ذہن میں رکھتے ہیں۔ جو نہیں مانتے کا فر ہلکہ کرتے ہیں بَر دل ان کے بھی معترف ہیں۔

معرفت خداوندی۔ عقلی دلائل: انسان آنکھ بند کرکے، جہاں بھی کھولے جو چیز بھی اسے نظر آتی ہے وہ اسے دعوت دیتی ہے کہ وہ بھی بغیر کسی بنانے والے کے نہیں بنی تو یہ بلند و بالا پہاڑ، سمندر، ستارے، سیارے، افلاک، شمس و قمر، شجر و حجر، نسیم سحر، فضائے معطر، پھولوں کی لطافت، شاخوں کی نزاکت، چاند کی چمک، کہکشاں کی دمک، بارش کی ٹپک، رات کا اندھیرا، صبح کا سویرا، کلیوں کا تبسم، بلبل کا ترنم، مثل موتی شبنم، زمین کی کشش بغیر بنانے والے کے بنے ہیں۔ ہرگز نہیں ضمیر کی آواز اندر سے جواب دیتی ہے۔ تو پھر وہ ہستی کون ہے؟ وہی تو اللہ ہے۔

اسلامیات کے نصاب میں اسی یکتا معبود کے متعین کردہ انبیاء و رسل اور ان پر نازل کتب سماوی کی تعلیمات، اس کے بندوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ان انبیاء و رسل میں حتمی، آخری رسول محمد ﷺ کی حیثیت و مقام کا اللہ نے اعلان فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝ (۵)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

عام طور پر رسول کا مفہوم پیغام رساں، پیغمبر کا لیا گیا۔ لیکن یہ ترجمہ اس مفہوم خداوندی کی تکمیل نہیں کرتا۔ یہ ذات گرامی پیغمبری سے بڑھ کر ایمان والوں کے لیے معلم و مربی سے بھی بڑھ کر نمونہ عمل ذات اور جزو ایمان ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ (۶)

بیشک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے۔

(ب) تعریف: عربی زبان میں کسی لفظ کے معانی معلوم کرنے کے لیے اس لفظ کا سہ حرفی مادہ لیا جاتا ہے۔ نصاب کا سہ حرفی مادہ، بنیاد "نصب" ہے۔

ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر اس کے معانی "قائد اللغات" میں یوں لکھتے ہیں:

(۱) پونجی سرمایہ **(۲)** اتنا مال جس پر زکوٰۃ دینا واجب ہو **(۳)** بنیاد جڑ

(۴) پڑھائی کا کورس **(۵)** تول، جانچ، اندازہ۔ **(۷)**

پروفیسر سید ساجد حسین اپنی کتاب "نصاب و تدریس" میں نصاب تعلیم کی تعریف یوں کرتے ہیں:

نصاب تعلیم و تدریس کا ایک باقاعدہ اور واضح دستاویزی پروگرام ہے جس میں اسکول کی داخلی اور خارجی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اور جو معلم کے توسط سے طلبہ کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی نشوونما کرتا ہے اور فرد کو اس کے نصب العین سے ہمکنار کرتا ہے۔ **(۸)**

الیاس قدیر طاہر نصاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

نصاب جسے انگریزی میں کریکیولم کہتے ہیں۔ لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب وہ راستہ ہے جس پر چل کر ایک فرد اپنی منزل پالیتا ہے۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی فلسفہ حیات ہوتا ہے جس کی بنیاد پر تعلیمی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ نصاب تعلیمی منصوبہ بندی کو

عملی جامہ پہنانے کیلئے راستہ متعین کرتا ہے اور اس طرح قوم اپنے نظریاتی اور قومی مقاصد حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے۔(۹)

ہربرٹ کا نظریہ یہ ہے کہ تعلیم کا اصل مدعا سیرت کی تربیت ہے۔لہذا نصاب مرتب کرنے میں صرف بچے ہی کی ضروریات مدنظر رکھنا نہیں چاہیے بلکہ اس کے ماحول اور ملت کا لحاظ اور قومی تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے اور روزمرہ کے مشاغل کو بھی۔ جو اس کی آئندہ زندگی میں کارآمد ثابت ہوں۔(۱۰)

اسلام چونکہ اللہ کا دین ہے اور اسلامیات، اللہ کے دین کا علم ہے اللہ تعالیٰ انسانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے اصول وضوابط کے تحت زندگی بسر کریں، کامیاب دنیاوی زندگی کے بعد آخرت، بعد میں آنے والی زندگی میں بھی سرخرو ہوں۔ اسلام کے ماننے والوں کا نصب العین یہی ہونا چاہیے، اسلام انسانیت کی فلاح وبہبود کا دین ہے۔(۱۱)

معاشرہ:معاشرہ کی وضاحت الحاج فیروزالدین اپنی لغت کی کتاب میں یوں کرتے ہیں۔

جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے، اپنی ترقی اور فلاح وبہبود کیلئے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے۔(۱۲)

اثرات:اثرات لفظ اثر کی جمع ہے اور قائد اللغات میں ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری نے لفظ ''اثر'' کے معانی یوں لکھے ہیں۔

(۱) علامت، نشان (۲) نتیجہ، تغیر (۳) تاثیر کرنا، ہونا کے ساتھ (۴) خاصیت (۵) دل فریب کیفیت

(۶) رسول اللہ ﷺ کی سنت (۷) اختیار، قابو، دباؤ۔(۱۳)

زیرنظر مقالہ میں اعلیٰ ثانوی سطح کے نصاب اسلامیات کے معاشرتی زندگی پر اثرات کا اسی تناظر میں تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

(ج) اقسام اثرات:معاشرتی اثرات کی اقسام قرآن وسنت کی رو سے مندرجہ ذیل قرار پاتی ہیں۔ اعتقادی اثرات، معاشی اثرات، قانونی اثرات، تہذیبی وتمدنی اثرات، علمی اثرات۔

(د) متاثر کرنے والے عوامل: اُمتِ مسلمہ کا بنیادی نصاب تو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت نبوی ﷺ کے ذریعے اپنے بندوں کو دے دیا ہے۔اب بندوں کا کام ہے کہ اس میں ضروریات کے مطابق ہر جماعت کے طلباء کی عمر اور ضروریات کو مدنظر رکھ کر نصاب کا تعین کیا جائے۔ اسلامی معاشرہ اور نصاب اسلامیات کو متاثر کرنے والے عوامل میں سے اہم ترین یہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) افتراق اُمت سب سے بڑا مرض:اُمت مسلمہ آج افتراق کا شکار ہے، غالب ہونے کے بجائے مغلوب ہے جس کام سے اللہ نے منع فرمایا، اسی کا ارتکاب کر رہی ہے۔فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا.(۱۴)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور تفریق نہ کرو۔

عصر حاضر میں اُمت مسلمہ نے اس ساخت ونصاب کو ترک کرنا اپنا وطیرہ بنایا ہے جو رب نے ان کیلئے مقرر فرمایا ہے۔ اللہ کی رسی دین اسلام ہے۔(۱۵) ہر جگہ ومقام پر چند افراد اس دین پر عامل ہیں جمیعًا کی روح مفقود ہے۔تفرقہ بازی کا یہ عالم ہے کہ فرقوں سے بڑھ کر مسلمان ٹولیوں فرقیوں میں بٹ چکے ہیں۔ ایک دین ہے، ایک فقہ ہے سلسلہ طریقت بھی ایک ہے پیر ومدرسہ جدا جدا ہیں تو ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہر فرقہ بلکہ ٹولی ٹولی کا حامل فرد سمجھتا ہے کہ راہ حق وصراط مستقیم

کی حامل صرف ان ہی کی ٹرتی ہے۔

اُمت مسلمہ کی تنگ نظری و تہی دامنی کا یہ عالم ہے کہ ہر فرقے کے حاملین یہ سمجھتے ہیں دنیا میں فلاں فرقہ ، وہ کافر ہے فلاں وہ کافر ہے فلاں وہ کافر ہے ان کی تفریق سازی کا یہ سلسلہ اگر جاری رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں فلاں فرقہ مسلمانوں میں دس فی صد ہے اس کو امت مسلمہ سے نکال دو، باقی ۹۰ فی صد میں سے پانچ فی صد فلاں فرقہ بھی کافر ہے باقی میں دو، دو فی صد فلاں، فلاں فرقہ وہ بھی کافر ہیں۔ باقی میں سے تین فی صد فلاں فرقہ مشرک و کافر ہے۔۔۔۔۔۔ تفریق کرتے کرتے باقی مدعیان اسلام میں سے پوری دنیا میں بس مسلمان فقط دو فی صد یا ایک فی صد ہیں۔ ہر فرقہ کے حاملین صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے اور مانتے ہیں۔ باقی پر اگر ہلکا ہاتھ رکھیں تو گمراہ گردانتے ہیں۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں اس بڑے مرض کی تشخیص یوں فرماتے ہیں:

یہ ایک بڑی دل خراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مرورِ زمانہ سے اس اُمت میں بھی افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا ہے جسے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ اُمت بھی بعض خود غرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے، آستینیں چڑھائے لٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے ہیں۔

بسا اوقات طرز تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءِ ظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ اہل علم کا کام تو ان خون چکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانش مندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔

علاج: اس مرض کی تشخیص کے بعد جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس کا علاج تجویز کرتے ہیں۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقل سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔۔۔ یہ فرض بڑی دل سوزی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد معاملہ خدائے برتر کے سپرد کر دیں وہ حی و قیوم چاہے تو انہیں ان شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔(۱۶)

(۲) اختلاف امت: فروعی مسائل میں فقہی اختلافات کا صدور نبی برحق ہادی مشفق ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں بھی ہو گیا تھا۔ اختلاف اُمت میں رحمت ہے لیکن اسے زحمت نہ بنایا جائے۔

(۳) اسلامی قوانین: ان کا اجرا نہ ہونا۔

(۴) خلافت: نظام خلافت کا نہ ہونا۔

(۵) اخوت اسلامی: اخوت اسلامی کا مفقود ہونا۔

(۶) ترک جہاد: جہاد کو ترک کرنا۔

(ھ) طریقہ کار:

(۱) حکمت عملی: زیر مطالعہ تحقیق میں مطالعاتی سروے کی حکمت عملی استعمال کی گئی۔

(۲) آبادی: کراچی بھر کے تمام نجی و حکومتی اعلیٰ ثانوی مدارس اور کالجز کے تمام اسلامیات کے اساتذہ مطالعہ کی آبادی میں شامل تھے۔ آبادی بہت بڑی بھی ہو سکتی ہے اور مختصر بھی۔ اس کا انحصار ان اشخاص یا اشیاء کے گروہ کے سائز پر ہے جن کے بارے میں محقق نتائج نکالنا چاہتا ہے۔(۱۷)

(۳) نمونہ سازی: ڈاکٹر رشید اختر نے "نمونہ" کی اہمیت کو یوں عقلی انداز سے اجاگر کیا ہے:

روزمرہ زندگی میں سینکڑوں ایسے کام کرتے ہیں جس سے نمونوں کا کام لیا جاتا ہے اور جنہیں مثالی بنا کر ہم نئے تجربات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ عورتیں چاول پکاتے وقت سینکڑوں چاول کے دانوں کو چھو کر یہ پتہ نہیں لگاتیں کہ چاول تیار ہوا ہے یا نہیں؟ چند دانوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ چاول بن گیا اور اسے چولھے سے اتارنا ضروری ہے۔ یہ چند دانوں کا عمل نمونہ ہے(۱۸)

چونکہ آبادی بہت طویل اور زیادہ تھی، ان تک رسائی ناممکن تھی۔ لہٰذا گروہی اتفاقیہ نمونہ سازی کے طریقہ کو اختیار کیا گیا اور کراچی کو ملک کے نمائندہ شہر کی حیثیت سے نمونہ کے انتخاب کے لیے چنا گیا تھا۔ تقسیم کی بنیاد صنف، حکومتی و نجی کالجوں اور اعلیٰ ثانوی مدارس شہر کے مختلف ٹاؤنز کے اعتبار سے رکھی گئی تھی۔ اس لئے نمونہ میں شامل ۵۷۱ اساتذہ کو ٹاؤنز کے لحاظ سے لیا گیا تھا۔

(۴) تحقیقی آلات: نصاب اسلامیات کے معاشرے پر اثرات کا جائزہ لینے کیلئے ۴۰ استفسارات (Item s) پر مبنی ایک سوال نامہ ترتیب دیا گیا تھا، جو پانچ نکاتی مزید جوابات پر مشتمل تھا۔ دوسرا بالمشافہ گفتگو کے سلسلے کی ترکیب بھی بنائی گئی تھی۔ جو بیس اہم سوالات پر مشتمل تھی۔ بالمشافہ گفتگو کے زیادہ سے زیادہ فوائد و ثمرات حاصل کرنے کے لیے ضمنی سوالات بھی کیے گئے تھے۔ سوال نامہ سے حاصل کردہ معطیات اور اس طریقے سے سوال نامہ کی معتبری و جواز کو اطمینان بخش پایا گیا تھا۔

(۵) معطیات کا حصول: سوال نامے پہلے ڈاک کے ذریعے ارسال کیے گئے تھے، لیکن مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی، جوابات کم ملے۔ پھر تحقیق کار نے ذاتی ملاقاتوں کے ذریعے سوال نامہ کے جوابات رائے دہندگان سے خود حاصل کیے۔ بعض رائے دہندگان نے ابہام دور کرنے کے لیے ضمنی سوالات کیے۔ تحقیق کار نے ان کے ابہامات دور کیے۔ اس طرح مطلوبہ نتائج کامیابی سے حاصل کیے گئے تھے۔ بالمشافہ گفتگو میں تحقیق کار نے ذاتی طور پر جوابات تخلیہ و پرسکون ماحول میں حاصل کیے تھے۔

(۶) معطیات کا تجزیہ: معطیات کے تجزیہ کیلئے دو قسم کے تجزیاتی فنون استعمال کیے گئے تھے، پہلی قسم میں بالمشافہ گفتگو کے مسودوں کا خاصیتی تجزیہ کیا گیا تھا۔ اور نتائج کو عبارتی انداز میں ظاہر کیا گیا تھا۔ فن کی دوسری قسم مقداری تھی جو دونوں

بیانیہ اور نتائج کے خلاصے شماریاتی طریقوں پر مشتمل تھی۔ معطیات کی وضاحت کے لیے جدولیں مع تعدداتِ وفی صد استعمال کی گئی تھیں۔

فی صد معطیات کے تجزیہ کی ایک آسان شکل کل اور جزو کی نوعیت دریافت کرنا ہے یہ نوعیت دریافت کرنے کیلئے کل کو ۱۰۰ سے ظاہر کیا جاتا ہے اور اس کے جزو کی پیائش فی صد کے طریقہ سے کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ آسان، قابل فہم اور اطمینان بخش ہے۔ اس کا استعمال تجزیہ کرنے میں موجوا بہت زیادہ ہے۔ زیر نظر تحقیق میں رائے دہندگان کے معطیات کو فی صد میں ظاہر کیا گیا ہے اور حاصل کردہ نتائج کو واضح کرنے اور متغیرات کو جانچنے کے لئے فی صد کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ فی صد کا فارمولا درج ذیل ہے۔

حاصل شدہ معطیات کی تعداد / کل تعداد کیفیتی جوابات

معطیات کا تجزیہ بدست خود کیا گیا تھا اس لئے نتائج تفصیل سے اخذ کیے گئے۔

(د) نتائج: نصاب کے بارے میں تحقیق کے نتائج انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اکثریت رائے دہندگان اعلیٰ قابلیت کے حامل ہیں۔ اکثریت نے نصاب پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ نصاب میں خامیاں ہیں۔ مثلاً ذہنی سطح کے لحاظ سے نصاب طلباء وطالبات کی فطری، مذہبی ضروریات پوری نہیں کرتا۔ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والوں کے مسائل اور ان کا حل مفقود ہے، نصاب میں ذیلی جماعتوں کے موضوعات کا اعادہ کیا گیا ہے۔ حیران کن بات ہے کہ پہلی جماعت کے طلباء کو مشہور فرشتوں کے نام اور کام، آسمانی کتابوں کے نام اور کن انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ توحید و رسالت اور ملائکہ وغیرہ بنیادی عقائد پڑھائے جاتے ہیں کا اعادہ گیارھویں جماعت میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے طلباء اسے دلچسپی سے نہیں پڑھتے اور جب پڑھتے نہیں تو معاشرے پر کیا اثرات مثبت ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں امن و سکون غارت ہے اکثر مجرم اسی عمر کے ہیں جو نہ نصاب کو پڑھتے ہیں نہ جرائم کا ذکر ان کی سزاؤں کے ساتھ نصاب میں ہے اور نہ ہی معاشرے میں جرائم کا سدباب ہو رہا ہے۔ ناحق انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے قتل میں اسی عمر کے اکثر نوجوان وارداتیں کر رہے ہیں۔ چوری سے بڑھ کر زبردستی اسلحہ کے زور پر ڈکیتیاں اسی عمر کے نوجوان کر رہے ہیں۔ زناکاری اور جنسی بے راہ روی، منشیات و شراب نوشی کے ارتکاب میں اکثریت نوجوانوں کی بھی ملوث ہے۔ نصاب میں ان اعمال کے دنیا و آخرت کے نقصانات اور سزاؤں کو تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا۔ بڑی عمر کے جرائم پیشہ افراد میں پڑھے لکھے افراد کی بھی بڑی تعداد ملوث ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اعلیٰ سطح کے نصاب میں جرائم و سزاؤں کا تذکرہ تک نہیں پڑھا۔

تفریق مسلم کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے لیکن مسلمانوں میں فرقہ پرستی عروج پر ہے۔ تحقیق سے نصاب میں اس کمی کو بھی محسوس کیا گیا کہ نصاب میں اس کی مذمت موجود نہیں ہے۔

مسلمانوں کا ایک دوسرے کو کافر قرار دینا تکفیر مسلم کی برائی کے بارے میں نصاب میں رہنمائی نہیں ہے۔ سب سے بڑی کمی تحقیق سے یہ بھی سامنے آئی ہے کہ عملی کام اس سطح پر نصاب میں شامل نہیں کیا گیا۔

تحقیق میں یہ بھی نشاندہی ہوئی ہے کہ یہ نصاب مسلمانوں میں جذبہ خود اعتمادی اور خود انحصاری پیدا نہیں کرتا۔ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں کرتا۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے طلباء کی کردار سازی میں تشنگی شدت سے محسوس کی گئی۔ اسلامی سیاسیات کے

اصولوں کے بارے میں نصاب خاموش ہے۔ معاشی اُصولوں کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔ نصاب میں روحانی تسکین کا سامان نہیں ہے۔

تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مومن دنیاو آخرت میں کامیابی کی دعا کرتا ہے۔ لیکن اس نصاب میں کامیاب دنیاوی زندگی کے لیے بھی معلومات ناکافی ہے۔ نصاب میں تاریخی واقعات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

علم میراث جسے حضور ﷺ نے نصف علم قرار دیا، کا کوئی بھی حصہ اس میں شامل نہیں ہے۔ حالانکہ ہر کلاس میں کچھ نہ کچھ حصہ دے کر اعلیٰ ثانوی سطح پر بھی کچھ حصہ شامل کرنا چاہیے۔ جہاد کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس اہم فریضہ کو ماضی وحال کے تناظر میں بیان نہیں کیا گیا۔

آبادی کے اہم ترین حصہ یعنی خواتین کے اسلامی حقوق کو نصاب میں اُجاگر نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے خواتین روز بر علاقہ میں ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں۔ ان کے حقوق سلب کئے جا رہے ہیں۔ معاشرے پر اس نصاب کے مثبت اثرات ان ہی وجوہات کی بنا پر نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اس نصاب کے قاری نہ ہی اخلاق حسنہ کا نمونہ ہیں اور نہ یہ نصاب مثالی مسلمان بنا رہا ہے۔

(ز) تجاویز وسفارشات: تحقیق کی روشنی میں نصاب میں بہتری کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز وسفارشات مرتب کی گئی ہیں۔

(۱) احترام انسان اور اتحاد اُمت مسلمہ کے تصور کو قرآن وسنت کی رو سے اُجاگر کیا جائے۔

(۲) تفریق مسلم اور تکفیر مسلم کی پر زور مذمت کی جائے۔

(۳) اختلاف امت رحمت ہے۔ تحمل سے اختلافات کو قبول کیا جائے۔

(۴) نصاب میں عملی کام ضرور شامل کیا جائے۔

(۵) قرآن کریم کی آخری ۲۰ سورتیں مع ترجمہ یاد کرنا۔ سورہ نور، سورہ نساء وغیرہ تفسیر کے ساتھ نصاب میں شامل ہوں۔

(۶) انبیا قرآن کے قصص، سیرت نبوی ﷺ، خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور تاریخ اسلام کے واقعات کو دلچسپ انداز میں کردار سازی کے لیے پیش کیا جائے۔

(۷) نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کے مسائل، اضطراری کیفیت میں تربیت جہاد یعنی فوجی ٹریننگ۔ جیسا کہ ایران میں ہے۔ لازمی رکھا جائے۔ اور جہاد کو ماضی اور حال کے تناظر میں شامل نصاب کیا جائے۔

(۸) جرائم اور ان کی سزاؤں سے متعلق قرآنی آیات واحادیث مع ترجمہ وواقعات کو دلکش پیرائے میں شامل نصاب کیا جائے تاکہ معاشرے سے جرائم کا سدِ باب ہو اور امن وسکون قائم ہو۔

(۹) رسول اللہ ﷺ نے علم میراث کو نصف علم فرمایا ہے۔ اس کا کچھ حصہ ہر کلاس میں اور اس کی طرح اعلیٰ ثانوی سطح پر بھی شامل کیا جائے۔

(۱۰) نصاب میں خواتین کے حقوق، معاشی اور سیاسی تعلیمات کو بھی شامل کر کے عصر حاضر کی ضروریات کا ادراک کیا جائے۔

(۱۱) یہ نصاب پڑھانے کے لیے باعمل، مستند، اہل علم کا تقرر کیا جائے۔

(۱۲) نصاب کے صحیح ثمرات سے طلباء و طالبات کو مستفید کرنے کیلئے، اداروں میں تعلیمی ماحول بحال کرنے کیلئے سیاسی مداخلت کا خاتمہ کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ نوٹیفیکیشن نمبر: ایف۔ ۱۱۔ ۲۔ ۸۱ / ایچ ایس سی، مورخہ نومبر ۱۹۸۶ء، وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان، اسلام آباد

۲۔ عالم، شیخ محبوب (۱۹۶۳ء)، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، کتب خانہ پیسہ اخبار لاہور، ج ۲، ص ۹۲۸

۳۔ القرآن ۱۹:۳

۴۔ ایضاً ۱۳۹:۳

۵۔ القرآن ۲۶:۲۹

۶۔ ایضاً ۳۱:۳۳

۷۔ نشتر جالندھری، عبدالحکیم خان، (۱۹۶۹ء)، جامع اللغات، ایم آر برادرز، اردو بازار لاہور، طبع اول، ص ۹۶۲

۸۔ حسینی، پروفیسر سید ماجد، (۱۹۹۳ء)، رہبر پبلشرز، کراچی، ص ۱۹

۹۔ عامر، الیاس قدیر (۱۹۸۹ء)، تعلیمی نفسیات اور نصاب کوڈ ۵۱۸ نظر ثانی ڈاکٹر عارف ضیاء، ڈاکٹر مسز عفت ڈار، اشاعت اول، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، یونٹ ۸، طلبہ کی ضروریات اور نصاب، ص ۲۶۹

۱۰۔ علی خان، مولانا ساجد، (۱۹۸۷ء)، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ص ۱۵۸۴، نیز انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۲۲۶

۱۱۔ Brill, E.J, (1978), The Encyclopedia of Islam, The International Union of Academies, Vol.Iv, pp.171-177.

۱۲۔ فیروز اللغات اردو، (۱۹۷۴ء)، فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی، ص ۱۰۹۹

۱۳۔ جامع اللغات، ص ۵۳

۱۴۔ القرآن ۱۰۳:۳

۱۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، (۱۹۹۱ء)، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، طبع دوازدہم، ج ۱، ص ۲۷۹

۱۶۔ الازہری، جسٹس پیر محمد کرم شاہ، (۱۴۰۲ھ)، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۱، ص ۱۰

۱۷۔ Charles H.Busha and Stephen P.Harter,(1980),Research Methods in libraianship, Techniques and Interpretation, Academic Press, New York,pp.56-57.

۱۸۔ ش۔ اختر، ڈاکٹر، (۱۹۸۶)، تحقیق کے طریقہ کار، اردو میں اصول تحقیق، (انتخاب مقالات)، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ج ۱، ص ۲۳۳

فہم قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کا تصور

پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن / ڈاکٹر حافظ فدا حسین

Abstract

The Holy Quran which was revealed in Arabic Language, it's verses have been explained with help of Ahadith and Athar as well as Quran itself. The Holy Quran's basic understanding depends on comprehension of Arabic Language. The Arabic Poetry has a very important and extensive role in the language eloquence. The Holy Quran has used Arab's phraseologies in which it has challenged the Arab to bring a verse like it's a verse, if they believed the Holy Quran is composed by the Holy Prophet himself. However, the Holy Quran has denied being itself a poetry and also clarified that the Holy Prophet was not a poet. Therefore, a debate appeared around a role of Arabic poetry in Quranic verses explanation. Ibn Abbas, a renowned exponent companion has quoted some Arabic proses in Quranic verses explanation, as well as he guided toward Arabic poetry for finding the meaning of Quranic words. Hence many exponents of the Holy Quran quoted Arabic poetry in this regard. In this article the function of Arabic poetry in explanation of Quranic verses has explored and identified with relevant aspects.

زمانہ جاہلیت میں شعر گوئی اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ شعراء کا شمار قبیلے کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا کیونکہ شاعر اپنے قبیلے کا محافظ ہو کر رخ زبان و بیان کے معرکوں میں ان کے دشمنوں کا جواب دینے والا اور اہل قبیلہ کی ذہنی و جذباتی رہنمائی کرنے والا ہوتا تھا۔

عرب جنہیں اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت اور زور بیان پر ناز تھا۔ قرآن مجید انہی کی زبان میں اترا اور انہی کے اسلوب اور طرز ادا کو اس نے اختیار کیا۔ اہل زبان میں سے جس نے قرآن کو سنا، وہ اسکی عظمت و برتری کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ قرآن حکیم کے اسلوب بیان، فصاحت و بلاغت، لفظوں کا رکھ رکھاؤ، خوبصورت جملوں اور مختصر الفاظ پر مشتمل آیات کی اثر انگیزی نے اہل عرب کو عاجز کر دیا۔ مشرکین مکہ اگرچہ تعصب کی بناء پر قرآن پر ایمان لانے سے گریز کرتے رہے لیکن انہیں قرآن کی معجز بیانی کے آگے گردنیں خم کرنا پڑیں۔ قرآن مجید میں اہل عرب کے تمام اسالیب پائے جاتے ہیں تاکہ اہل عرب یہ خیال نہ کریں کہ وہ اس کے فہم سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے اس لئے عاجز ہیں کہ قرآن حکیم ان کی زبان اور اسالیب زبان میں نہیں ہے جنہیں وہ روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان حروف و اسالیب میں اتارا جنہیں اہل عرب اپنے اشعار اور خطبات میں اختیار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو قرآن حکیم کے مثل کلام لانے کی بابت متعدد بار چیلنج کیا جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔(۱)

فہم قرآن میں عربی زبان کی ضرورت و اہمیت

قرآن کے صحیح فہم کیلئے ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دور کی صحیح تصویر سامنے ہو۔ کلام عرب (عربی شاعری و نثر) اور اس کے اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقفیت ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف، 2:12) اس قرآنی آیت میں تصریح ہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس کتاب کے فہم کیلئے علم اللسان یا علم لغت سے واقفیت تامہ ناگزیر ہے خاص طور پر وہ الفاظ قرآنیہ جو غرائب میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی معرفت اشد ضروری ہے۔ چنانچہ مجاہد بن جبر (ابن عباس کے معتمد شاگرد) کہتے ہیں(۲) "لایحل لأحد یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب اللہ إذا لم یکن عالماً بلغات العرب"۔ کسی ایسے شخص کیلئے جو کہ خدا تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ بات روا نہیں کہ جب تک وہ لغات عرب کا عالم نہ ہو اس وقت تک کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے)۔

ابن جریر طبری نے قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کی چار نوعیتوں کی نشاندہی کی ہے۔ ایک تفسیر وہ ہے جس کو عرب اپنے کلام و زبان کے سبب جانتے ہیں۔ ایک وہ ہے جس کے نہ جاننے پر کسی کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا، ایک وہ تفسیر ہے جس کو علماء جانتے ہیں اور ایک تفسیر ایسی ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔(۳)

ابو نصر فارابی(350ھ) کہتے ہیں:(۴)

> القرآن کلام اللہ وتنزیلہ فصل فیہ مصالح العباد فی معاشهم ومعادهم، مما یأتون ویذرون ولاسبیل إلی علمه وإدراک معانیه إلا بالتبحر فی علم هذہ اللغة.

ابومنصور ازہری (370ھ) کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے فہم میں عربی زبان سیکھنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:(۵)

وأن على الخاصة التي تقوم بكفاية العامة فيما يحتاجون إليه لدينهم، الاجتهاد في تعلم لسان العرب ولغاتها التي بها تمام التوصل إلى معرفة ما في الكتاب و السنن و الآثار.

راغب اصفہانی فہم قرآن میں کلام عرب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:(۶)

فألفاظ القرآن هي لُبُّ كلام العرب وزبدته، وواسطته وكرائمه، وعليها اعتماد الفقهاء و الحكماء في أحكامهم وحكمهم، و إليها مفزع حذّاق الشعراء و البلغاء في نظمهم ونثرهم. وماعداها وعدا الألفاظ المتفرّعات عنها و المشتقّات منها هو بالإضافة إليها كالقشور و النّوى بالإضافة إلى أطايب الثّمرة، و كالحثالة و التبن بالإضافة إلى لبوب الحنطة.

لہذا مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ لغت عرب پر عبور رکھتا ہو جس کا مستند ماخذ کلام عرب (عربی شاعری ونثر) ہے۔

قرآن حکیم کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ خالص عرب تھے جو عربی زبان کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔(اللّٰهم فقّهْهُ في الدين وعلّمْهُ التاويل)(۷) (اے اللہ تو ابن عباسؓ کو دین میں تفقہ اور (قرآن مجید کی آیات کا) صحیح مصداق (مفہوم ومراد) سکھادے)۔ یہ دعا نبوی کی قبولیت تھی کہ ایک موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ وہ زمین اور آسمان کون سے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے ﴿أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ (الانبیاء، 30:21)(آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا)۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو حضرت ابن عباسؓ کے پاس وہ شخص آیا تو آپؓ نے جواب دیا کہ آسمانوں کا رتق (بندش) تو یہ ہے کہ ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمینوں کا رتق یہ تھا کہ ان میں روئیدگی نہیں پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فتق (کشادگی) کر دیا تو آسمانوں سے بارش ہونے لگی اور زمینوں میں نباتات پیدا ہونے لگے۔(۸)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آیات قرآنی کے مفہوم کے تعین میں کلام عرب سے بھی استفادہ کیا چنانچہ ان سے روایت ہے کہ میرے علم میں قرآنی آیت ﴿فاطِرَ السَّمٰوات و الارض﴾ (یوسف، 101:12) کا مفہوم نہیں تھا۔ ایک بار دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے تو ان میں سے ایک نے کہا "انا فطرتها" یعنی اس کی ابتداء میں نے کی تو مجھے آیت کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ گویا فاطر السموات و الارض کا مفہوم آسمان وزمین کی ابتداء کرنے والا ہوا۔ اسی طرح ایک اور روایت قتادہ سے ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ قرآنی آیت ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ (الاعراف، 89:7) میں لفظ (افتح) کا کیا مطلب ہے؟ یہاں تک کہ میں نے بنت یزن کا یہ قول سنا کہ "تعال افاتحک" (۹) (یعنی کہا جاتا ہے کہ میں تم سے فیصلہ کرواؤں گی)۔ تو آیت کا مطلب ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے دعا کی

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے۔

فہم قرآن میں استشہاد بالشعر کی نوعیت

کلام عرب سے استفادہ کے ضمن میں یہ سوال زیر بحث آیا ہے کہ کیا فہم قرآن میں عربی شعر سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور اگر شعر سے استشہاد درست ہے تو اس کا دائرہ کار کیا ہے۔

عبدالفتاح المصری عربی شاعری سے استشہاد کی بابت لکھتے ہیں:(۱۰)

> إذا تساء لوا أيجوز الاحتجاج على غريب القرآن ومشكله بالشعر أم لا؟ وقد أنكر هذا بعضهم، وأيده بعضهم الآخر، أما المنكرون فحجتهم أن الشعر مذموم في القرآن والحديث وإذا استشهدنا به جعلناه أصلاً للقرآن ولكن المؤيدين ردوا عليهم بأننا أردنا بهذا تبيين الحروف الغريب من القرآن بالشعر، لأن الله تعالى قال: ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ (3:43) وقال: ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (195:26)
>
> یعنی عربی شاعری سے استشہاد کے بارے میں بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور بعض استشہاد کے حامی ہیں۔ مخالفین کا موقف یہ ہے کہ چونکہ قرآن وحدیث میں شاعری کو مذموم قرار دیا گیا ہے اس لیے استشہاد درست نہیں جبکہ مؤیدین کے مطابق قرآن کا نزول عربی زبان میں ہوا اور شعر سے قرآن کے غریب کلمات کی توضیح ہوتی ہے اس لیے عربی شاعری سے استشہاد درست ہے۔

ائمہ لغت نے شاعری کو مختلف ادوار اور شعراء کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ شعراء کے درج ذیل چار طبقات ہیں۔
1۔ جاہلی شعراء: اس سے مراد اسلام سے قبل کے شعراء ہیں۔ جیسے امرؤ القیس، اعشیٰ، نابغہ ذبیانی، زہیر بن ابی سلمیٰ اور طرفہ بن العبد وغیرہ۔ **2۔ مخضرم شعراء:** ایسے شعراء جنہوں نے جاہلی اور اسلامی دور پایا جیسے لبید بن ربیعہ، حسانؓ بن ثابت، خنساء بنت تماضر اور کعب بن زہیرؓ وغیرہ۔ **3۔ متقدمین شعراء:** انہیں اسلامی شعراء کہا جاتا ہے جیسے جریر، فرزدق، قطامی، ذی الرمۃ، عجاج وغیرہ۔ **4۔ مولدون شعراء:** یہ وہ شعراء ہیں جو تیسرے طبقہ کے بعد سے آج کے دور تک ہیں جیسے بشار بن برد، أبي العتاهية، أبي نواس، ابی تمام، بحتری اور ابن الرومی وغیرہ۔(۱۱)

جاہلی اور مخضرم طبقہ کے شعراء کے کلام سے استشہاد بالاتفاق درست اور جائز ہے جمہور علماء کے نزدیک قدیم یعنی اسلامی شعراء کے کلام سے بھی استشہاد صحیح ہے جبکہ چوتھے طبقے یعنی مولدین کے کلام سے جمہور کی رائے کے مطابق استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علوم لغویہ، بلاغہ معانی، بیان اور بدیع میں مولدین کے اشعار سے استشہاد جائز و درست ہے۔(۱۲) بہر حال استشہاد کے ضمن میں جو حیثیت دور جاہلیت اور صدر الاسلام کی ہے وہ کسی دور کی نہیں کیونکہ علماء نے دور جاہلیت اور صدر الا سلام کی شاعری کو خصوصی طور پر جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

گو ان شعراء میں سے کوئی بھی شعری غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔ ان اغلاط کی ناقدین نے نشان دہی کی اور شعری ضرورت

کے پیش نظر اسے شعری غلطی کا نام دے کر اس کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک شاعر کیلئے اُسے بغیر ہچکچاہٹ استعمال کرنا جائز ہوگیا۔ سیبویہ کہتے ہیں (۱۳): "انہ یجوز فی الشعر ما لایجوز فی الکلام، من صرف لاینصرف، یشبھونہ بما ینصرف من الأسماء وحذف مالایحذف یشبھونہ بما قد حذف، و استعمل محذوفاً" (شاعری میں وہ جائز ہے جو کلام (نثر) میں ناجائز ہے۔ منصرف وغیر منصرف اسماء میں سے جو حذف نہیں ہوتا اسے حذف کرکے منصرف کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو محذوف ہو چکا ہے اور جو محذوف استعمال کیا گیا ہو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔)

تاہم جب کتاب اللہ اور احادیث و آثار کی روشنی میں مفہوم قرآنی کی تعیین نہ ہو رہی ہو تو پھر قرآنی آیات کی تفسیر و توضیح کے لیے عربی شاعری کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب قرآنی آیات کی تفسیر مذکورہ مصادر شرعیہ سے ہو رہی ہو تو پھر کلام عرب سے دلیل لانا درست نہیں بلکہ ان تفاسیر کی جانب رجوع کرنا واجب ہوگا جو کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ میں وارد ہوئی ہوں۔ (۱۴) زرکشی اسی حوالے سے لکھتے ہیں (۱۵): "مالم یرد فیہ نقل عن المفسرین وھو قلیل وطریق التوصل الی فھمہ النظرُ إلی مفردات الألفاظ من لغۃ العرب ومدلولاتھا و استعمالھا بحسب السّیاق" (جن امور میں مفسرین سے کوئی بات منقول نہیں اور ایسے امور کم ہیں پھر اسکے فہم تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ لغت عرب کے مفرد الفاظ، ان کے مدلولات اور سیاق وسباق کے اعتبار سے غور وخوض کیا جائے)

یعنی عربی شاعری کے ذریعے متعین ہونے والے قرآنی مفاہیم اسلاف صحابہؓ، تابعین اور آئمہ مجتہدین کے مفاہیم سے مطابقت رکھتے ہوں ان میں تضاد نہ ہو۔ ابن جریر طبری کہتے ہیں (۱۶): "و اصحھم برھاناً فیما ترجم وبیّن من ذلک مما کان مدرکاً علمہ من جھۃ اللسان إمّا بالشواھد من اشعارھم السائرۃ وإمّا من منطقھم لغاتھم المستفیضۃ المعروفۃ، کائناً من کان ذلک المتأوّل و المفسّر، بعد أن لایکون خارجاً تاویلہ وتفسیرہ عن اقوال السلف من الصحابۃ و الائمۃ و الخلف من التابعین وعلماء الأمۃ" (یعنی مفسرین میں سب سے زیادہ دلیل کے اعتبار سے صحیح تفسیر ان چیزوں سے ہے جن کا علم زبان سے حاصل ہوتا ہے یا تو اشعار عرب سے استشہاد کرکے یا ان کی مشہور ومعروف لغات سے استدلال کرکے بشرطیکہ اسکی تفسیر وتاویل لغت کی جانب نسبت کرنے سے اقوال صحابہؓ، آئمہ سلف، علماء وتابعین کے اقوال سے ہٹ کر نہ ہو)۔ ابن تیمیہ (728ھ) کہتے ہیں (۱۷): "منْ عدلَ عن مذاھب الصحابۃ و التابعین وتفسیرھم إلی مایخالف ذلک کان مخطأ فی ذلک بل مبتدعاً وإن کان مجتھداً مغفوراً لہ خطأہ" یعنی جس نے صحابہؓ، تابعینؒ کے اقوال اور ان کی تفاسیر سے اعراض کیا ان باتوں کی طرف جو ان کے خلاف ہیں تو خطا کار ہوگا بلکہ بدعتی ہوگا اگرچہ وہ مجتہد مطلق ہی کیوں نہ ہو جس کی خطا پر بھی مغفرت ہے۔ عربی شاعری سے استشہاد کی نوعیت واضح ہونے کے بعد اس کی اہمیت کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

استشہاد بالشعر کی اہمیت

جاہلی عربی شاعری میں انوکھی حکمتیں، رمز وحیہ، ضرب الامثال، تفسیر کے شواہد اور تاویل کے دلائل پائے جاتے ہیں۔ ان

عباسؓ فرماتے ہیں(۱۸): "إذا خفی علیکم شیء من القرآن فابتغوه فی الشعر، فإنه دیوان العرب"۔ (جب تم پر قرآن کا کوئی لفظ مخفی ہو تو اس کے معنی کو اشعار میں تلاش کرو کیونکہ اشعار عرب کا دیوان ہیں)۔ ابو ہلال عسکری (395ھ) کہتے ہیں(۱۹): "ان الشواهد تنتزع من الشعر ولولاه لم یکن علی مایلتبس من الفاظ القرآن واخبار الرسول ﷺ شاهد"۔ اگر یہ اشعار نہ ہوتے تو قرآن کے الفاظ اور رسول ﷺ کی اخبار کی توضیح میں کوئی شاہد نہ ہوتا۔ ابن فارس کہتے ہیں(۲۰): "وهو حجة فیما اشکل من غریب کتاب الله وغریب حدیث رسول الله ﷺ" (کہ یہ اشعار کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کے غیر مانوس الفاظ میں دلیل ہیں)۔ رافعی تفسیر قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی بابت لکھتے ہیں(۲۱): "فلما تکلموا فی تفسیر القرآن وغریب الحدیث، وکانوا یلتمسون لذلک مصادقه من أشعار العرب، وضح هذا المعنی اللغوی"

امام سیوطی لکھتے ہیں(۲۲): "ولیعتن بحفظ أشعار العرب فإن فیه حکما ومواعظ وآداباً، وبه یستعان علی تفسیر القرآن والحدیث" (اشعار عرب کے حفظ کا اہتمام کیا جانا چاہیے کیونکہ اس میں بڑی حکمتیں اور پر تاثیر نصیحتیں ہیں بڑے زریں اخلاق وآداب ہیں اور اشعار سے قرآن وحدیث کی تفسیر میں مدد لی جاتی ہے) صدیق حسن خان قنوجی (1308ھ) (۲۳) کہتے ہیں، "ومعرفة شعرهم روایة ودرایة عند فقهاء الاسلام فرض کفایة لأنه به تثبت قواعد العربیة التی بها یعلم الکتاب والسنة المتوقف علی معرفتها الأحکام التی تمیز بها الحلال والحرام"۔ شعراء کے اشعار کی معرفت روایتاً اور درایتاً (عقلاً ونقلاً) فقہائے اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے اس لیے کہ اس سے عربی لغت کے قواعد ثابت ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے اس کتاب وسنت کو جانا جاتا ہے جن کی معرفت پر وہ احکام موقوف ہیں جن سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے معانی کی تعیین اور کلمات غریبہ کی تفسیر وتشریح اور لغوی استدلال کے لیے عربی شاعری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جیسا کہ ان کا فرمان ہے(۲۴): إذا تعاجم شیء من القرآن فانظروا فی الشعر العربی (جب قرآن مجید میں تمہیں لغوی دشواری محسوس ہو تو شعر عرب میں اسے تلاش کرو)۔ اسی طرح حضرت ابن عباس ارشاد نبوی روایت کرتے ہیں(۲۵): "إن من الشعر حکمة وإذا التبس علیکم شیء من القرآن فالتمسوه من الشعر فإنه عربی)۔ ڈاکٹر عبدالعال سالم مکرم، ابن عباس کی بابت لکھتے ہیں(۲۶): "ولا ننسی أن ابن عباس کان فارس الحلبة فی الاستشهاد بالشعر لبیان الکلمات الغریبة فی القرآن الکریم، ذلک لأن ابن عباسؓ کان یعلم أن الشعر دیوان العرب، وأنه من أهم المصادر فی تفسیر هذا الغریب"

ذیل میں نافع بن ازرق کے ابن عباسؓ سے سوالات کی نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تا کہ فہم قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کی اہمیت واضح ہو سکے۔

1۔ نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اللہ تعالی کے ارشاد ﴿إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ﴾ (الانشقاق

14:84) میں یحور کا کیا مطلب ہے، ابن عباس نے فرمایا یحور کا معنی ہے لوٹنا "انہ ظن ان لن یرجع" (اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے) پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اہل عرب بھی اس معنی سے واقف ہیں؟ ابن عباسؓ نے اثبات میں جواب دیا اور تائید میں لبید بن ربیعہ کا شعر پیش کیا۔

وَمَا الْمَرءُ إلا كالشِّهابِ وَضَوئِهِ يَحُورُ رَماداً بَعدَ إذْ هُوَ ساطِعُ. (۲۷)

انسان کی مثال ایسی ہے جیسے ٹوٹنے والے تارے اور اسکی چمک کہ وہ ناگہاں چمک دکھا کر پھر خاک ہو جاتا واپس لوٹ جاتا ہے۔

اس شعر میں "یحور" کا لفظ لوٹنے اور واپس آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

2۔ نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيءٍ مُّقِيتاً﴾ (النساء،85:4) میں لفظ مُقِيتاً کے کیا معنی ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "قادراً مقتدراً" صاحب قدرت، قدرت رکھنے والا تو آیت کا مفہوم ہوا "اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ پھر آپ نے کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے نابغہ ذبیانی کا درج ذیل شعر پڑھا۔

وَذِي ضَغَنٍ كَفَفْتُ النَّفسَ عَنْهُ وَكُنتُ عَلَى مَساءَتِهِ مُقِيتاً. (۲۸)

میں نے کینہ پرور دشمن کی طرف سے اپنی طبیعت روک لی۔ حالانکہ میں اس سے بدسلوکی کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔

اس شعر میں لفظ "مقیت" قدرت رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

لہٰذا ابن عباسؓ نے غریب القرآن کو اپنا موضوع بنایا اور ان کی تفسیر و تشریح جاہلی اشعار کی روشنی میں کرتے تھے۔ ذیل میں ان چند پہلوؤں کی نشاندہی کی جارہی ہے جن میں عربی شعر سے فہم قرآن میں استشہاد کیا گیا ہے۔

1۔ عربی شاعری کے ذریعے شرح الغریب کی توضیح

جاہلی عربی شاعری سے قرآن حکیم کے نادر، غریب اور مشکل الفاظ کی تحقیق میں مدد ملتی ہے۔ کیونکہ کسی جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے کسی جگہ مجازی کہیں اس کا لغوی مفہوم مراد لیا جاتا ہے اور کہیں اصطلاحی۔ نزول قرآن کے وقت متعدد الفاظ ایسے بھی تھے جن کے معانی تبدیل ہو چکے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بعض الفاظ کے معانی عام تھے جبکہ اسلام کی آمد کے بعد وہ الفاظ کسی ایک مفہوم کیلئے خاص ہو گئے مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، بیع اور مزارعہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں مستعمل نہیں تھے اور عرب بھی ان سے آشنا نہیں تھے مثلاً منافق اور فاسق وغیرہ۔

عربی لغت میں غریب کلام کا اطلاق اس لفظ یا ترکیب پر کیا جاتا ہے جس میں نہایت درجے کی پیچیدگی پائی جاتی ہو اور اس کے فہم کے حوالے سے اس میں بُعد پایا جاتا ہو(۲۹) لہٰذا غریب کلام سے یا تو ایسا کلام مراد ہے جس کا مفہوم سمجھنا اور فہم سے دور ہو اور اس کا سمجھنا سوچ و بچار اور غور و فکر کے بعد ہی ممکن ہو یا پھر وہ کلام مراد ہے جو تہذیب و ثقافت کے مراکز سے دور رہنے والے اپنی گفتگو

میں استعمال کرتے ہوں یعنی دور دراز کے قبائلی لوگوں کی لغت اور الفاظ جنہیں سن کر ہمیں اجنبیت محسوس ہو اور وہ الفاظ ہمیں نامانوس لگیں۔

لفظ ''غریب'' کی اس لغوی تعریف پر جب غور کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے کلام پر منطبق نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طرح کے عیوب سے کلی طور پر پاک ہے اور وہ کلمات متنافرۃ(۳۰)، وحشیہ(۳۱)، شاذۃ(۳۲)، متروکہ(۳۳) اور غیر مانوس الفاظ وتراکیب سے بالکل خالی ہے۔ لہٰذا غریب القرآن سے مراد وہ کلام حسن ہے جس میں واضح فصاحت پائی جاتی ہو اگرچہ اپنی تاویل کے حوالے سے اس میں کچھ خفا، اور اس کے معانی میں کچھ ابہام ہو کہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں اہل تفسیر اور دوسرے لوگوں کے مابین کچھ نہ کچھ تفاوت پایا جاتا ہو۔ ابوحیان اندلسی غریب القرآن کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں(۳۴): کہ غریب القرآن وہ فصیح وبلیغ قرآنی الفاظ ہیں جن کے معانی کے فہم میں عام قاری یا مفسر کیلئے پوشیدگی پائی جاتی ہو یا ان کے معانی کے جاننے میں وہ التباس کا شکار ہوں۔ الغرض غریب القرآن کے علم سے مراد وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآنیہ میں سے نامعلوم الفاظ کی وضاحت بیان کی گئی ہو اور قرآن کریم کے مبہم الفاظ کی وہ تفسیر بیان کی گئی ہو جو اقوال ماثورہ اور لغات عرب میں پائی جاتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی (1176ھ) کہتے ہیں(۳۵): غیر مانوس الفاظ کی شرح میں احسن وافضل طریقہ وہ ہے جو ترجمان القرآن ابن عباس سے بصحت ثابت ہے پھر امام بخاری نے غریب الفاظ کی شرح میں ائمہ تفسیر سے جو نقل کیا ہے پھر غریب الفاظ کی شرح کیلئے باقی مفسرین نے صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین سے جو نقل کیا اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن کی لغت کو استعمالات عرب کے طریقوں سے سمجھنا اور آثار صحابہؓ اور تابعین پر مکمل اعتماد کرنا لازمی امر ہے۔

امام نووی(676ھ) کہتے ہیں(۳۶): "وتفسير الألفاظ اللغوية فلايجوز الكلام فيه إلا بنقل صحيح من جهة المعتمدين من أهله" (لغوی الفاظ کی تفسیر میں کوئی کلام بھی جائز نہیں ہوتا مگر اہل علم اور معتمد علیہ باصلاحیت حضرات سے صحیح منقول کلام)

قرآن کے غریب الفاظ اور کلمات کی معرفت ان بنیادی چیزوں میں سے ہے جو قرآن کی تفسیر اور کلام الٰہی کے فہم میں انتہائی معاون ومددگار ہے۔ قرآنی کلمات کے مطالب کے ادراک، اس کے احکام کے استنباط، قرآنی آیات میں تدبر اور قرآنی قصص میں پائی جانے والی حکمت ومصلحت کی معرفت کیلئے غریب القرآن کی معرفت ناگزیر ہے گویا کہ غریب القرآن کی معرفت کلام الٰہی کو جاننے کے حوالے سے کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ارشاد ہے:﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ، 3:1)(جو مالک ہیں یوم جزا کے)

الدِّیْن:- ابوعبیدۃ اس کا معنی لکھتے ہیں "الحساب والجزاء" یعنی جزا اور بدلہ۔ مزید توضیح کیلئے وہ ایک ضرب المثل لاتے ہیں یعنی کما تدین تدان یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یوم الحساب کو بھی الدین کہتے ہیں۔ ابوعبیدۃ "الدین" کی وضاحت کیلئے ابن نفیل (جاہلی شاعر) کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاعْلَمْ وَأَيْقِنْ أَنَّ مُلْكَكَ زَائِلٌ　　　وَاعْلَمْ بِأَنْ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ(۳۷)

یعنی جان لو اور یقین رکھو کہ تمہارا ملک ختم ہو جائے گا اور جان لو کہ تم جیسا کرتے ہو ویسا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

امام ابن جریر طبری نے "السدین" کی توضیح کیلئے دو اشعار سے استدلال کیا ہے ایک شعر تو وہ ہے جس سے ابوعبیدہ نے استشہاد کیا ہے جبکہ دوسرا شعر درج ذیل ہے۔ یہ شعر کعب بن جعیل (اسلامی شاعر) کا ہے

إذا ما رَمَونا رَمَيناهُم　　　وَدِنّاهُم مِثلَ ما يُقرِضونا (۳۸)

2۔ عربی شاعری کے ذریعے صرفی ونحوی مشکلات کا ازالہ

جہاں قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تحقیق میں عربی شاعری سے استفادہ ناگزیر ہے وہاں صرفی ونحوی مسائل کی شرح کے لیے بھی عربی شاعری سے مدد لی جا سکتی ہے۔ فہم قرآن میں عربی زبان اور اس کے علوم کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ "معرفة الألفاظ المفردة بحسب دلالتها علي ما وضعت له بحسب جوهرها وهو علم اللغة" (۳۹) یعنی اسی کے ذریعے مفرد الفاظ اور ان کے مدلولات بناوٹ کے لحاظ سے پہچانے جاتے ہیں اور فہم قرآن اس کے معانی کے فہم پر منحصر ہے۔ اسی طرح مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے علوم کی بھی معرفت رکھتا ہو جیسا کہ نحو اور اعراب کا علم جس کے ذریعے معانی تمیز کیے جاتے ہیں اور متکلمین کی اغراض سے واقفیت ہوتی ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں (۴۰): "فأما الأعراب فبه تميز المعاني، ويوقف علي اغراض المتكلمين" جیسا کہ علم صرف جس کے ذریعے کلمات کی بناوٹ اور صیغوں کو پہچانا جاتا ہے کیونکہ کلمات کی بناوٹ اور مصادر کی پہچان کلام اللہ کے معانی سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ عربی زبان کے علم کے بغیر کلام اللہ کی مراد تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم صرف سے الفاظ، اوزان اور صیغوں کا پتہ چلتا ہے جب تک اس بات کا علم نہ ہو کہ یہ صیغہ کونسا ہے اور اس کی تصریف وتعلیل کیا ہے تو کلام کی مراد ومعنی کو سمجھنا محال ہوگا۔ اسی طرح قرآن فہمی کے لیے علم نحو کی معرفت بھی ناگزیر ہے کیونکہ اعراب کے ادنیٰ تغیر وتبدل سے معانی میں نہ صرف زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے بلکہ انسان کفر کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔ عربی زبان کے قواعد واصول کا ماخذ جاہلی عربی شاعری ہے۔ کلام عرب سے صرف ونحو کے قواعد اور لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ قرآن مجید میں جن مقامات پر صرفی ونحوی مشکلات فہم مطالب میں مانع ہوں ان کی تفہیم کے لیے قواعد واسالیب زبان اور ان کے نظائر جو کلام عرب میں ہیں سے رہنمائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ متقدمین مفسرین کی کثیر تعداد لغت کے قواعد وعلوم سے آشنا تھی اس لیے انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی مکمل توجہ صرفی ونحوی مسائل کی شرح پر مرکوز کی اور تفسیر قرآن میں عربی زبان کی اہمیت کے پیش نظر فصیح عربی اشعار سے مدد حاصل کی تاکہ کلام اللہ کا مقصد واضح ہو جائے۔

ذیل میں عربی شاعری کے ذریعے صرفی ونحوی مشکلات کے ازالہ کے حوالہ سے مثال پیش کی جا رہی ہے۔

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ (البقرہ، 2:2) (یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: ابوعبیدہ لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "هذا القرآن" وقد تخاطب العرب الشاهد فتظهر له مخاطبة الغائب" یعنی اس کا معنی ہے یہ قرآن۔ عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ حاضر کو جب مخاطب کرتے تھے تو ظاہر ہوتا تھا کہ غائب

کو مخاطب کر رہے ہیں۔

مثلاً ابوخراش خفاف بن ندبہ سلمی (مخضرم شاعر) کے ذیل کے اشعار سے ابوعبیدہ طبری اور ثعلبی استشہاد کرتے ہیں۔

فَإِنْ تَکُ خَيْلِي قَدْ أُصِيبَ صَمِيمُهَا   فَعَمْداً عَلَى عَيْنٍ تَيَمَّمْتُ مَالِكَا

أَقُولُ لَهُ وَالرُّمْحُ يَأْطِرُ مَتْنَهُ   تَأَمَّلْ خُفَافًا إِنَّنِي أَنَا ذَلِكَا

اس شعر میں "ذالکا" سے مراد انا ھذا ہے(۴۱)

3۔ عربی شاعری کے ذریعے اسالیب قرآنی کی تفہیم

عربی شاعری صرفی ونحوی مشکلات کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اسالیب قرآنی کی تفہیم کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم ان حروف اور کلمات میں نازل ہوا جنہیں اہل عرب اپنی گفتگو اور محاورات میں استعمال کرتے تھے۔ یعنی یہ اہل عرب کے انہی محاورات میں نازل ہوا ہے جو وہ اپنے منثور ومنظوم کلام میں اختیار کیا کرتے تھے تاکہ یہ ان کے خلاف دلیل معجزہ اور چیلنج بن جائے کہ یہ قرآن حکیم اہل عرب کے حروف اور کلمات کی جنس سے مرکب ہے اس لیے قرآن کی عظمت کا عرفان اُسی کو ہو سکتا ہے جو اہل عرب کے مختلف اسالیب بیان سے واقفیت رکھتا ہو۔

امام سیوطی لکھتے ہیں:(۴۲) وقد جاء القرآن بجميع هذه السنن، لتكون حجة الله عليهم آكد، ولئلا يقول: إنما عجزنا عن الإتيان بمثله لأنه بغير لغتنا، وبغير سنن التي نستحفا فانزل جل ثناء ه بالحروف التي يعرفونها، وبالسنن التي يسلكونها في أشعارهم ومخاطباتهم، ليكون عجزهم عن الإتيان بمثله أظهر واشعر۔

علم تفسیر قرآن، اس کے معانی اور اس کے علوم کے ماہر اہل علم نے ان اسالیب اور طریقوں کو واضح کردیا ہے جنہیں قرآن نے اپنی تعبیرات میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے خالص عربوں اور فصیح لغت والوں کے اشعار سے اس بات پر استشہاد لیا ہے کہ قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا جس کے اہل عرب وہ اپنے کلام اور محاورات میں عادی تھے۔

عبدالفتاح المصری لکھتے ہیں(۴۳) ولم يكتف القدماء بالاستشهاد بالمعلقات لمعاني الفاظ القرآن الكريم، بل كانوا يستشهدون بها لبعض أساليبه أيضاً، من ذلك مثلاً أسلوب الالتفات یعنی قدما قرآن حکیم کے الفاظ کے معانی کی تفہیم کے ساتھ ساتھ قرآنی اسالیب کی تفہیم کے لیے بھی معلقات سے استشہاد کرتے تھے۔ مثلاً اسلوب لالتفات وغیرہ۔ اس لیے قرآن حکیم کے ادبی محاسن، معجزانہ خصوصیات اور اس کے مختلف اسالیب کے فہم کیلئے بالخصوص جاہلی عربی شاعری سے واقفیت ناگزیر ہے۔ جاہلی عربی شاعری میں فصاحت وبلاغت اور حسن وخوبی کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے وہ تمام اسالیب بدرجہ اتم قرآن مجید میں موجود ہیں اور قرآن حکیم کا اسلوب نہایت دلکش اور دلنشین ہے۔

ا۔ اسلوب ایجاز

عربی زبان کے اسالیب میں سے ایک اسلوب حذف واختصار کا ہے، چنانچہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مضاف کو حذف

کر کے ایجاز و اختصار کی غرض سے مضاف الیہ کو اسکی جگہ پر رکھ دیا جائے۔ ابو منصور عبد الملک الثعالبی (429ھ) اس اسلوب کی بابت لکھتے ہیں (۴۴): "فی ذکر المکان و المراد به من فیه العرب تفعل ذلک" چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ (یوسف، 82:12) یعنی بستی والوں سے پوچھ (اور اسی بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم (اُس وقت) موجود تھے۔)

باقلانی لکھتے ہیں (۴۵) کہ اس ایجاز میں نہایت درجہ کی بلاغت پائی جاتی ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرہ، 93:2) (اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان کے قلوب میں گوسالہ پیوست ہوگیا تھا۔) ای حُبّہ یعنی بچھڑے کی محبت۔ مضاف کے حذف سے متعلق اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مراد "اھل القریۃ" اور "حب العجل" ہے۔ مضاف کے حذف اور اسکی جگہ مضاف الیہ کو رکھنے کی مثالیں عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ آیات کی تفسیر میں فراء لکھتے ہیں (۴۶) "فانه اراد: حُبّ العجل، ومثل هذا فما تحذفه العرب كثيرٌ" اور ایسے مواقع میں مضاف کلمے کو عرب اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح پہلی آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ اصل معنی ہے "والمعنی سل اھل القریۃ و اھل العیر"۔ یعنی دونوں آیات میں "حُبّ" اور "اھل" کے الفاظ محذوف ہیں اس طرح کے محذوفات کی مثالیں عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ابن قتیبہ ہذلی کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

يَمْشِي بَيْنَنَا حَانُوتُ خَمْرٍ … مِنَ الْخُرْسِ الصَّرَاصِرَةِ الْقِطَاطِ (۴۷)

کہ یہاں حانوت سے مراد صاحب حانوت ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات میں لفظ اور اس کے معنی کی صحت "من حیث الاسناد" موقوف ہے کیونکہ وسْئَلِ القریہ میں "اھل" محذوف ہے اس لیے "الْقَرْيَةَ" کی طرف سوال کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں پر سوال کی نسبت محذوف "اھل" کی طرف ہے۔

4۔ عربی شاعری کے ذریعے علم قراءت کے فہم میں استفادہ

جس طرح عربی شاعری کے ذریعے اسالیب قرآنی کی تفہیم ہوتی ہے اسی طرح عربی شاعری کے ذریعے علم قرأت کے فہم میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے ذیل میں علم قراءت کے مختصر تعارف کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ عربی شاعری کے ذریعے علم قراءت کے فہم میں کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ علم قراءت ایسا علم ہے جس سے کتاب اللہ کو نقل کرنے والوں کا لغت، اعراب، حذف، اثبات تحریک، اسکان، فصل اور اتصال وغیرہ میں بولنے کی ہیئت اور سننے کے حوالے سے ابدال کا علم ہو سکے۔ اس کے ذریعے اہل عرب کی لغت، اعراب حذف، اثبات، فصل و وصل میں نقل کے حوالے سے اختلاف و اتفاق معلوم کیا جاسکتا ہے (۴۸)۔ یعنی یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے قرآنی کلمات کو بولنے کا انداز اور ان کے نقل کرنے والے کیلئے ان کے ادا کرنے کا طریقہ پر متفق اور مختلف فیہ انداز میں سب کا علم ہوتا ہے۔ قراءات کی دو اقسام ہیں۔ 1۔ صحیح متواتر 2۔ شاذ

تواتر سے مراد وہ قراءت ہے جسے ایک پوری جماعت نے ایک پوری جماعت سے آخری دور تک اس طرح روایت کیا ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہو۔ مثلاً ایک قرآنی قراءت عربی لغت کے قواعد کے مطابق صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہو لیکن مصاحف عثمانیہ رسم الخط کے برخلاف ہو تو اسے شاذ کا نام دیا جائے گا کیونکہ یہ قراءۃ مصحف کے خط سے ہٹ کر ہے اگرچہ اس کی سند صحیح ہے مگر اس کی قراءت نہ تو نماز میں جائز ہے نہ ہی نماز کے علاوہ۔ صحیح متواتر قراءت دس آئمہ کی قراءت ہی ہے کیونکہ اس میں اس کی تمام شرائط وارکان اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے اسے قبول کرنے میں جمہور کا اتفاق ہے۔(۴۹)

اہل تفسیر ومعانی نے ان آئمہ کی قراءات کے ثبوت اور لغوی ومعانی طور پر ان کی توجیہہ کیلئے عربوں کے اشعار سے بھی خدمات حاصل کی ہیں۔ ان آئمہ قراء سے متواتر قراءات اور ان کی لغوی ومعنوی توجیہہ میں ان کی عربی شاعری سے استشہاد کی مثال درج ذیل ہے۔

﴿تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (البقرہ، 85:2)(ان کی مخالف قوم کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ)

"تَظٰهَرُوْنَ" ثعلبی لکھتے ہیں کہ امام عاصم حمزہ اور کسائی نے "ظا" کے ایک زبر اور ایک "تا" کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ اس کی اصل "تَتَظَاهَرُوْنَ" ہے۔ چنانچہ دوسری "تا" کو ایسے ہی حذف کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا﴾ (المائدہ، 2:5) اور ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ﴾ (الصافات، 25:37) میں۔ یعنی دوسرے معنوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں فاعل کی "تا" محذوف جبکہ خطاب کی "تا" کو باقی رکھا گیا ہے۔ جن قراء نے "تَظَاهَرُوْنَ" کو "ظا" کے تشدید یعنی "تَظَّاهَرُوْنَ" پڑھا ہے تو انہوں نے "تا" کا "ظا" میں ادغام کیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ کا فرمان ﴿اثَّاقَلْتُمْ﴾ (التوبہ، 38:9) میں ادغام کیا گیا ہے۔ کلام عرب میں "تا" کا حذف بھی آیا ہے۔ صرف ثعلبی ذیل شعر سے اپنی تفسیر میں استشہاد کرتے ہیں:

تعاطسون جميعاً حول داركم فكلكم يابني حمان مزكومُ

تم سب اپنے گھروں کے ارد گرد چھینکتے رہتے ہو، اے بنو حمان تم سب کو زکام ہو گیا ہے۔

یعنی اس شعر میں تعاطسون مراد ہے۔ باقی قراء نے "ظا" کے شد کے ساتھ "تظّاهرون" پڑھا ہے۔ ثعلبی نے لفظ "تـــظهـــرون" کی توضیح کیلئے مختلف آئمہ قراءات کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے پھر مزید توضیح کیلئے عربی شاعری سے استدلال بھی کیا ہے تاکہ بات میں مزید تقویت پیدا ہو جائے۔ پھر ثعلبی نے اسی طرح کی قرآن مجید سے اور بھی مثالیں پیش کی ہیں ان پیش کردہ آیات میں بھی آئمہ قراءت کا یہی مذکورہ اختلاف ہے اس طرح ثعلبی نے اپنے قاری کو مثالوں کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ تخریج کیلئے یہ آیت نہیں لائے طبری لکھتے ہیں:"وقد اختلف القراء في قراءة: ﴿تَظٰهَرُوْنَ﴾ فقرأها بعضهم: تظاهرون، على مثال ((تفاعلون)) محذف التاء الزائدة وهي التاء الآخرة. وقرأها آخرون ((تظّاهرون)) فشدد بتاويل ((تتظاهرون))، غير أنهم أدغموا التاء الثانية في الظاء لتقارب مخرجيهما فصيّرو هما ظاء مشددة، وهاتان القراءتان وإن اختلف ألفاظهما فإنهما متفقتا المعنى" طبری

نے "تستظاهرون" کی قراءۃ کے اختلاف کے حوالہ سے مذکورہ مفہوم بیان کیا ہے۔ تاہم کسی شعر سے استشہاد نہیں کیا۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد "تتعاونون" ہے۔ انہوں نے کسی شعر سے استدلال نہیں کیا۔(۵۰)

خلاصہ کلام

الغرض کسی بھی کلام کی تفہیم کے لیے اس کی لغت کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ ہی اس زبان کے ادبی ذخیرے کو غیر ضروری تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن متکلم کی منشا اور مراد کا فہم اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ فہم قرآن میں عربی لغت اور عصر جاہلی کی شاعری کی معرفت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا لغت کے ذریعے مفردات القرآن کے حل میں مدد حاصل کی جا سکتی ہے تاہم قرآن حکیم، احادیث نبوی ﷺ، آثار صحابہؓ و تابعین کو بنیادی حیثیت مسلّم ہے۔ بعض اہل علم نے فہم قرآن میں اس کی افادیت اور تاریخی حیثیت کا انکار کیا ہے اور بعض نے اس میں غلو کرتے ہوئے اسے فہم قرآن کی کلید اور معیار غالب قرار دیا ہے۔ دونوں گروہ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اصل اور صحیح موقف ان کے بین بین ہے۔ فہم قرآن میں کلام عرب کی معرفت ایک اہم معاون کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس میں منحصر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرون اولیٰ میں قوامیس و معاجم، تتبع اور استقراء کے بعد تحریر ہوئی ہیں۔ اکثر اہل لغت کے پیش نظر قرآن حکیم کے الفاظ نہیں تھے بلکہ عربی زبان پیش نظر رہی۔ اگر بعض اہل لغت نے معاجم کی تیاری میں غریب القرآن کو پیش نظر رکھا بھی ہے تو انہوں نے اپنے پسندیدہ مسالک کا بھی سہارا لیا ہے۔ علاوہ ازیں اشعار کی نسبت میں اختلاط و اختلاف کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے لغت کے ذریعے مفردات القرآن کا متعین مفہوم اجتہادی ہوگا جس میں اختلاف کے امکانات بہرحال موجود رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن البقرۃ ۲:۲۳، الاسراء ۱۷:۸۸

۲۔ الزرکشی، محمد بن عبداللہ بن بہادر (۷۹۴ھ): البرہان فی علوم القرآن، دارالفکر بیروت (۱۹۸۰ء)، ۲۹۱:۱؛ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر (۹۱۱ھ): الاتقان فی علوم القرآن، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۰ھ)، ۲:۲۰۹

۳۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر (۳۱۰ھ): جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۲ھ)، ۱:۱۵

۴۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ، دار احیاء الکتب العربیہ عیسی البابی الحلبی شرکاہ، و انتشارات فیروز آبادی قم (۱۳۷۸ھ)، ۲:۳۰۲

۵۔ الازہری، محمد بن احمد بن طلحہ ابو منصور: تہذیب اللغۃ، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ القاہرۃ (۱۹۶۴ء)، ۱:۵

۶۔ الراغب الاصفہانی، الحسین بن محمد بن المفضل (۴۲۵ھ): معجم مفردات الفاظ القرآن، دارالفکر بیروت (۱۹۷۲ء)، مقدمہ، ص: ت

۷۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم: الجامع الصحیح، المکتبۃ العصریۃ بیروت، الطبعۃ الرابعۃ (۱۴۲۰ھ)، باب قول النبی ﷺ: اللھم علمہ الکتاب، حدیث نمبر ۷۵، ۱۴۳

۸۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۳۳۵

۹۔ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن ۱: ۲۹۳

۱۰۔ عبدالفتاح المصری: المعلقات فی کتب القراءات، موسسۃ الرسالۃ القاہرۃ (۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء) ص ۳۸

۱۱۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۲۸۴، ۲۸۵

۱۲۔ البغدادی، عبدالقادر بن عمر (۱۰۹۳ھ): خزانۃ الادب، دار صادر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (تاریخ ندارد) ۱: ۹

۱۳۔ سیبویہ، عمرو بن عثمان بن قنبر: الکتاب، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۰ھ) ۱: ۵۳۔۶۸

۱۴۔ صبحی صالح: مباحث فی علوم القرآن، دار العلم للملایین بیروت لبنان، الطبعۃ الخامسۃ (۱۹۶۸ء) ص ۲۸۴۔۲۹۴

۱۵۔ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۸۹

۱۶۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن ۱: ۴۳

۱۷۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام (۷۲۸ھ): المقدمہ فی اصول التفسیر، المکتبۃ العلمیہ لاہور پاکستان (۱۳۸۸ھ) ص ۳۸

۱۸۔ الحاکم، ابوعبداللہ محمد عبداللہ بن محمد النیساپوری: المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)، کتاب التفسیر، سورۃ ن والقلم ۲: ۳۱۵

۱۹۔ ابوہلال العسکری، حسن بن عبداللہ بن سہل (۳۹۵ھ): کتاب الصناعتین الکتابۃ والشعر، المکتبۃ العصریہ بیروت (۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء) ص ۱۵۶

۲۰۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۴۷۰

۲۱۔ الرافعی، مصطفی صادق (۱۹۳۷ء): تاریخ آداب العرب، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) ۱: ۲۵۵

۲۲۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۳۰۹

۲۳۔ القنوجی، صدیق حسن خان بن علی بن لطف اللہ (۱۳۰۷ھ): ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

۲۴۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن ۱۲: ۵۶۳۔۵۶۵

۲۵۔ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد (۲۳۵ھ): المصنف، طیب اکادمی بوہڑ گیٹ ملتان، کتاب الادب، باب الرخصۃ فی الشعر ۶: ۲۷۷، نمبر ۲۶۰۲۵

۲۶۔ عبدالعال سالم مکرم: الشواہد الشعریہ فی تفسیر القرطبی، عالم الکتب بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء) ۱: ۵

۲۷۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۷۸

۲۸۔ ایضاً ۲: ۸۵

۲۹۔ ابن منظور، جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ): لسان العرب، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ (۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء)، مادہ غرب

۳۰۔ جب کسی شعر میں دو ایسے الفاظ متصل آجائیں جن میں پہلے لفظ کا آخری ہوتا ہے جو دوسرے لفظ کا حرف اول ہوتا ہے تو ان دونوں حرفوں کے ایک ساتھ تلفظ میں ایک قسم کا ثقل اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اسے عیب تنافر کہا جاتا ہے، جو فصاحت کلام کے منافی ہے۔ الدکتور امیل بدیع یعقوب: المعجم المفصل فی علم العروض والقافیہ وفنون الشعر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء) ص ۲۰۲

۳۱۔ حشو، اس زائد لفظ کو کہتے ہیں جس کی موجودگی کلام میں عیب شمار ہوتا ہے اور اس کے حذف کرنے سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ایضاً ص ۲۱۹

۳۲۔ قواعد سے بالا الفاظ جو مانوس معیار پر پورا نہ اتریں۔ مشتاق عباس معن: المعجم المفصل فی فقہ اللغۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء) ص ۱۰۳

۳۳۔ ایسے الفاظ جو کسی دور میں مستعمل رہے ہوں مگر بعد میں غیر فصیح قرار دے کر ترک کر دیے جائیں۔ صدیقی، ابو الاعجاز حفیظ: کشاف تنقیدی اصطلاحات،

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع دوم (۱۹۸۵ء)، ص ۱۶۵

۳۴۔ الرافعی: تاریخ آداب العرب، ج ۲، ص ۷۱

۳۵۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، الدھلوی: الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل کراچی، ص ۵۴

۳۶۔ النووی، یحیی بن شرف: التبیان فی آداب حملۃ القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی (۱۴۲۰ھ)، ص ۱۶۶

۳۷۔ ابوعبیدہ، معمر بن المثنی التیمی (۲۱۱ھ): مجاز القرآن، الناشر محمد سامی امین الخانجی الکتبی، مصر، الطبعۃ الاولی (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء)، ج ۱، ص ۴۳

۳۸۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ۱، ص ۹۳

۳۹۔ القنوجی، ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ (۱۳۰۷ھ): فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت (۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)، ج ۱، ص ۱۷

۴۰۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۵، ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۳

۴۱۔ ابوعبیدہ: مجاز القرآن، ج ۱، ص ۲۸، ۲۹، الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ۱، ص ۱۳۳، الثعلبی، ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم النیسابوری (۴۲۷ھ): الکشف والبیان فی تفسیر القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولی (۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)، ج ۱، ص ۶۶

۴۲۔ السیوطی: المزھر فی علوم اللغۃ، ج ۱، ص ۳۲۴

۴۳۔ عبدالفتاح المصری: المعلقات فی کتب التراث، ص ۴۰

۴۴۔ الثعالبی، ابومنصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل (۴۳۰ھ): فقہ اللغۃ وسر العربیۃ، دار العربیۃ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص ۳۷۰

۴۵۔ الباقلانی، القاضی ابوبکر محمد بن طیب بن محمد (۱۴۲۵ھ): اعجاز القرآن، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ (سن ندارد)، ص ۲۶۸

۴۶۔ ابن قتیبہ، الامام ابی محمد بن عبداللہ بن مسلم (۲۷۶ھ): تاویل مشکل القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی (۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء)، ص ۱۳۳

۴۷۔ السکری، ابوسعید الحسن بن الحسین السکری (۲۷۵ھ): شرح اشعار الہذلیین، مکتبہ دار العروبہ، القاہرہ، ص ۱۲۶۸

۴۸۔ القسطلانی، شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک (۹۲۳ھ): لطائف الاشارات لفنون القراءات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان (۲۰۰۰ء)، ج ۱، ص ۷۰

۴۹۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۶۴

۵۰۔ الثعلبی: الکشف والبیان فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۱۳۸

قرآنی تصورِ ملت اور اردو ملی شاعری کا آغاز

ڈاکٹر محمد حامد قریشی
استاد شعبہ اردو، ڈی۔ جے۔ سندھ گورنمنٹ سائنس کالج، کراچی

Abstract

Allah Almighty sent His beloved Prophet Hazrat Muhammad (SAW) to guide the humanity at a time when the entire world was entrapped in linguistic, ethnic, geographical and tribal prejudices. Prophet Hazrat Muhammad (SAW) ended all the biases and formed a universal nation (Millat) on the basis of KALIMAH. It follows that the concept of one Muslim nationhood (Millat) is given by the Prophet Muhammad (SAW) Since the poetry of MILLAT is a sum total of Islamic Ummah and its affairs. The axis on which this poetry revolves is logically the exalted being of the Prophet Muhammad (SAW).

This paper titled: "Qurani Tasawwur-e-Millat aur Urdu Milli Shairi" deals with the issues related to MILLAT, NATION and UMMAH. It also highlights the difference between national poetry and the poetry of MILLAT. It discovers some new facts about the beginning of poetry of MILLAT in Urdu.

(الف) ملت کی تعریف

"ملت" (ملۃ) عربی لفظ ہے۔ "المنجد" میں اس کے معنی "مذہب، اعتقاد، قوم، رسم، خوں بہا" دیے گئے ہیں۔(۱) "بیان اللسان" میں قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے "مذہب، شریعت اور خوں بہا" درج کیے ہیں۔(۲) اور ڈاکٹر سید فضل

الرحمان نے "دین، طریقہ اور مذہب" کے معنی لیے ہیں۔(۳) امام راغب اصفہانی کے مطابق "دین کی طرح ملت بھی اس دستور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبان پر بندوں کے لیے مقرر فرمایا"۔(۴) ان کے نزدیک دین اور ملت میں بھی فرق ہے۔ پہلا فرق تو یہ ہے کہ "ملت کی اضافت صرف اس نبی کی طرف ہوتی ہے جس کا وہ دین ہوتا ہے"(۵) اور دوسرا فرق یہ ہے کہ "کسی چیز کو اس کے منجانب اللہ مشروع ہونے کے لحاظ سے ملت کہا جاتا ہے اور اس کے قائم کرنے اور بجالانے کے لحاظ سے دین کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ دین کے معنی طاعت و فرمانبرداری کے ہیں"(۶)

عربی۔انگریزی لغات میں بھی قریب قریب یہی معنی ملتے ہیں "المورد القریب" میں "مِلّة" کے معنی sect, creed, faith درج کیے گئے ہیں اور عربی مترادفات "طائفہ، شیعہ، نحلہ، فرقہ، عقیدہ، اخلاص، ولاء، وفاء، ایمان، ثقہ اور دین" بیان کیے گئے ہیں۔(۷) "القاموس المدرسی" میں "مِـــلّة" کے معنی creed ,religion, faith لکھے گئے ہیں۔(۸) ان تینوں الفاظ کے عربی مترادفات اوکسفرڈ انگریزی۔عربی ڈکشنری میں بالترتیب creed کے معنی "عقیدہ، ایمان، مذہب"، religion کے معنی "دین، دیانہ" اور faith کے معنی "عقیدہ، ایمان، دین اور ثقہ" کے کیے گئے۔(۹)

جہاں تک اردو لغات کا تعلق ہے تو لفظ ملت کے معنی "فرہنگ آصفیہ" میں "دین، مذہب، شریعت، دھرم، مشرب، گروہ، فرقہ، پنتھ، قوم، ذات" وغیرہ سے کیے گئے ہیں۔(۱۰) "علمی اردو لغت" میں "دین، مذہب، شریعت، قوم، فرقہ" کے معنی لیے گئے ہیں۔(۱۱) اور "اردو لغت (تاریخی اصول پر)" میں "دین، مذہب، شریعت، مسلمانوں کی جماعت، گروہ مسلمین، مشرب، مسلک، اصول زندگی، طرز معاشرت، ایک ہی دین، مذہب یا مسلک کو ماننے والوں کا گروہ، ذات، فرقہ، قوم، قومیت اور (کنایۃً) عوام" کے معنی درج کیے گئے ہیں۔(۱۲) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں مقالہ نگار نے مختلف حوالوں کے ساتھ اس لفظ پر تفصیلی بحث کی ہے اور لغوی معنی سنہ اور الطریق کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اصطلاحی یا مجازی معنی شریعت یا دین کے قرار دیے ہیں کیوں کہ شریعت بھی ایک طرح سے راستے اور طریق کی سی حیثیت رکھتی ہے تاہم کبھی کبھار مجازاً ملت کا اطلاق دین اور مذہب پر اور اس کے علاوہ فروعات مذہب پر بھی کیا جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ نسلوں کے فرقوں پر بھی ملت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ عہد جاہلیت کے باطل مذاہب کیلئے بھی ملت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اسی باعث کہا گیا "الکفر ملۃ واحدۃ" یعنی "کفر ایک ہی ملت ہے"۔ اس مقام پر ملت اور دین کے مفہوم میں مماثلت پیدا ہو جاتی ہے "ملت کے یہ معنی مجازی معنی ہیں نیز شریعت اور ملت کے الفاظ کو عموماً مترادف سمجھا جاتا ہے تاہم ان میں خفیف سا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملت کا مطلب شریعتوں کے احکام کلی ہوتے ہیں جنہیں اصول شرائع بھی کہا جاتا ہے جب کہ شریعت سے مراد احکام جزئی ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھار مجازی طور پر اصول شرائع پر بھی لفظ شریعت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔(۱۳) مقالہ نگار کے مطابق:

> "جہاں بھی مطلقاً ملت کا ذکر آتا ہے تو اس مراد ملت محمدیؐ ہی ہوتی ہے اور عموماً ملت کہہ کر اہل ملت ہی مراد لیے جاتے ہیں اور اسی مفہوم میں ملت بیضا کی ترکیب بھی مستعمل ہے" اور ملت کا لفظ قوم کے معنوں میں سب سے پہلے سرسید نے استعمال کیا۔(۱۴)

مختلف لغات اور ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملت کا لفظ کم از کم اردو زبان میں عموماً ملت اسلامیہ یا امت مسلمہ کے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا ہے اور اس لفظ کے دوسرے معنی مراد نہیں لیے جاتے۔ متعدد شعراء کے ہاں بھی اس بات کی شہادت ملتی ہے۔ مثلاً:

ملت بیضا نے قوموں کی مٹا دی تھی تمیز   تھے بلال و جعفر و سلماں برابر محترم (۱۵)
پشت و پناہ ملت ختم الامم ہے تو   تو آج زور بازوئے شاہ حجازؐ ہے(۱۶)
جو مسلم ہے تو جاں ناموس ملت پر فدا کر دے   خدا کا قرض اور اس کے نبیؐ کا قرض ادا کر دے(۱۷)
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے   یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا (۱۸)
سلطنت مٹی تھی پہلے، آج ملت مٹ گئی   ایسا یوم نحس ان آنکھوں نے بھی دیکھا نہ تھا(۱۹)
اے لشکرِ ملت کے رضا کار جوانو!   آزادیٔ کامل کے طلب گار جوانو! (۲۰)
ملتِ پاک کی سر زمیں کے لیے   وہی نصرت کی فتح مبیں کے لیے (۲۱)

مندرجہ بالا امثال سے واضح ہے کہ ملت کا لفظ اردو زبان میں اپنے دیگر معنوں سے قطع نظر امت مسلمہ یا ملت اسلامیہ کے معنوں میں رائج ہے اور ملت کا تصور صاحب ملت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرہون منت ہے۔ ممتاز حسن نے درست کہا ہے۔

> ''افراد کے ایک سلسلے میں منسلک ہونے کا نام ملت ہے۔ انسان طبعاً مدنی یا مجلسی واقع ہوا ہے مگر اس مجلسیت سے ملت پیدا نہیں ہوتی۔ ملت کا پیدا ہونا کسی عظیم الشان شخصیت کے اثر کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ جو ذروں کو اٹھا کر آفتاب کر دے اور خاک کو اکسیر بنا دے۔ یہ شخصیت نبی کریم ﷺ کی شخصیت ہے'' (۲۲)

(ب) قرآن پاک میں لفظ ملت کا استعمال

لفظ ملت (ملۃ) قرآن پاک میں اپنی تمام صورتوں میں کل چودہ مرتبہ آیا ہے۔ سات مرتبہ ملت ابراہیمؑ کے الفاظ (۲۳) میں جسے مولانا فتح محمد جالندھری نے اپنے ترجمے میں ''دین ابراہیمؑ'' لکھا ہے۔ اور مولانا مودودی نے چھ مقامات پر اس کا ترجمہ ''ابراہیمؑ کا طریقہ'' اور ایک مقام پر ''ابراہیمؑ کی ملت'' سے کیا ہے۔ تین مقامات پر کافروں / کفر کی ملت کے الفاظ ہیں۔ (۲۴) تینوں جگہ مولانا فتح محمد جالندھری اس سے کافروں / کفر کا مذہب مراد لیتے ہیں۔ جب کہ مولانا مودودی کافروں / کفر کی ملت سے ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک مقام پر ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کی مشترکہ ملت کا ذکر ہوا ہے۔ (۲۵) جس کے لیے مولانا فتح محمد جالندھری ''ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کا مذہب'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مودودی صاحب نے ''ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کا طریقہ'' مراد لیا ہے۔ ایک جگہ پر یہ لفظ ''یہود و نصاریٰ کی ملت'' کے الفاظ میں بھی آیا ہے۔ (۲۶) مولانا فتح محمد جالندھری ''یہود و نصاریٰ کا مذہب'' اور مولانا مودودی ''یہود و نصاریٰ کا طریقہ'' سے اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک مقام پر یہ لفظ ''گمراہ لوگوں کی ملت'' کی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔ (۲۷) جس کا ترجمہ مولانا جالندھری نے ''گمراہ لوگوں کا مذہب'' اور مودودی صاحب نے ''گمراہ لوگوں کا طریقہ'' سے کیا ہے۔ ایک مقام پر یہ لفظ ''قوم شعیبؑ کے مغرور اور ظالم سرداروں'' کے لیے بھی استعمال

کیا گیا ہے۔(۲۸) مولانا جالندھری جس سے "قومِ شعیب کے مغرور اور ظالم سرداروں کا مذہب" اور مولانا مودودی "قومِ شعیب کے مغرور اور ظالم سرداروں کی ملت" مراد لیتے ہیں۔ ایک جگہ (۲۹) اس لفظ کے معنی مولانا جالندھری نے "پچھلے مذہب" اور مولانا مودودی نے "زمانۂ قریب کی ملت" کیلئے ہیں۔(۳۰)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا فتح محمد جالندھری نے لفظ ملت کے معنی دین اور مذہب کے اور مولانا مودودی نے طریقہ اور ملت کے لیے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔"اس آیت میں ملت کا جو لفظ آیا ہے۔ اس کے اصل معنی طریقہ کے ہیں لیکن اس سے کسی شخص کا یا گروہ کا وہ طریقۂ زندگی مراد ہوتا ہے جس کی بنیاد مذہب اور روایت پر ہو"۔(۳۱) یہ بات اہم ہے کہ مولانا موصوف نے اس لفظ کا ترجمہ ملت ہی کیا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "فقہاءِ کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصرانی یا کوئی اور ہوں۔ اسی لیے ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا"۔ یہی وجہ ہے کہ مترجم نے بھی پوری تفسیر میں بیشتر مقامات پر اس لفظ کے معنی دین اور مذہب سے ہی کیے ہیں۔(۳۲)

(ج) ملت اور امت

امت (الامۃ) کے معنی عربی میں "جماعت، آدمیوں کا گروہ، وقت، طریقہ، قد و قامت" کے ہیں۔(۳۳) "معجم القرآن" میں "امت، مدت اور طریقہ" بیان کیے گئے ہیں۔(۳۴) قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے "شریعت، دین، طریقہ، نبی، جامع الکمالات آدمی، لوگوں کا مقتدا اور پیشوا، جماعت جس کی طرف پیغمبر آیا ہو، گروہ، وقت، مدت اور قد و قامت" کے معنی اختیار کیے ہیں۔(۳۵) مولانا عبدالرشید نعمانی نے "لغات قرآن" میں معنی کے ساتھ وضاحت بھی کی ہے کہ "ہر وہ جماعت جس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ اشتراک موجود ہو اسے امت کہا جاتا ہے خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بنا پر ہو یا جغرافیائی اور عصری وحدت کی وجہ سے اور خواہ اس رابطہ میں امت کے اپنے اختیار کو دخل ہو یا نہ ہو۔ اخفش نے تصریح کی ہے کہ امت باعتبار لفظ واحد ہے اور باعتبار معنی جمع ہے نیز ہر جنس کی ایک امت ہے"(۳۶) مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی نے مندرجہ بالا معنوں کے ساتھ ساتھ والدہ، قوم، نسل، مذہب اور کعبہ کے معنوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔(۳۷)

انگریزی لغات میں امۃ کے معنی Nation اور People سے کیے گئے ہیں۔(۳۸)

"اردو لغت (تاریخی اصول پر)" میں امت کے معنی "کسی پیغمبر پر ایمان لانے اور اس کی پیروی کرنے والی جماعت خصوصاً حضور ﷺ کے پیرو، کسی خاص غیر دینی نظریے کے ماننے والوں کی جماعت، کوئی مخصوص صفت رکھنے والا گروہ، قوم، برادری نیز راہ، شریعت و دین" کے درج ہیں۔(۳۹) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں امت کے عمومی معنی "مفردات امام راغب" کے حوالے سے "قوم اور جماعت" کے کیے گئے ہیں نیز یہ لفظ حالت، نعمت، شان، طریق، سنت، وقت، زمانہ، مدت اور شریعت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔(۴۰)

قرآن پاک میں امۃ (امت) کا لفظ اپنی تمام شکلوں میں ۶۴ مرتبہ آیا ہے۔ زیادہ تر اس کے معنی جماعت یا گروہ کے لیے

گئے ہیں۔ اور اس کا اطلاق نیک اور بد دونوں جماعتوں پر کیا گیا ہے۔ حتّٰی کہ شیطانوں اور جنوں کی جماعت یا گروہ پر اس لفظ کا استعمال ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار جماعت کے لیے اس لفظ کے ترجمے میں مولانا فتح محمد جالندھری نے "گروہ، جماعت، امت، مذہب، قوم، شریعت اور ملت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اور مولانا مودودی نے "قوم، امت، طریقہ، گروہ اور لوگ" کے معنی اختیار کیے ہیں۔ (۴۱)

یہی وجہ ہے کہ اردو میں دیگر معنوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے امت کے معنی ایسی جماعت یا قوم کے لیے جاتے ہیں جو کسی پیغمبر پر ایمان رکھتی ہو یا پھر کسی غیر دینی نظریے کی حامل جماعت ہو اسی لیے اردو زبان میں امتِ موسوی یا موسیٰ کی امت، امتِ عیسوی یا عیسیٰ کی امت اور بالخصوص امتِ محمدیؐ یا امتِ محمدیہؐ کا استعمال عام ہے اور پوری مسلم دنیا میں امتِ محمدیؐ اور ملتِ اسلامیہ کے ایک ہی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

جہاں تک میثاقِ مدینہ کا سوال ہے جس کی دو شقوں میں یہود کو بھی امت میں شامل کیا گیا ہے یعنی "انھم امة واحدة من دون الناس" یعنی "دوسرے لوگوں کے مقابل وہ ایک امت (سیاسی وحدت) ہوں گے"۔ اور "وان یھود بنی عوف امة مع المومنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم..." یعنی "اور بنی عوف کے یہودی اداروں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہود اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر۔۔۔(۴۲) تو پہلی بات تو یہ ہے کہ "سیرت ابن ہشام" کے مترجمین مولانا عبدالجلیل صدیقی اور مولانا غلام رسول مہر نے مذکورہ شقوں کا ترجمہ کرتے وقت امت کے معنی قوسین میں سیاسی وحدت کے درج کیے ہیں۔ یعنی یہاں امت کو بلحاظ دین نہیں بلکہ بلحاظ سیاسی وحدت لیا گیا ہے۔ (۴۳) دوسرے یہ کہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے "اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ" کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

> "کبھی امت کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کی طرف کوئی نبی مبعوث کیا گیا ہو اور ان لوگوں کو 'امت الدعوۃ' کہتے ہیں۔ کبھی ان لوگوں پر جو نبی مبعوث کے ماننے والے ہوں انھیں 'امت الاجابۃ' کہا جاتا ہے۔۔۔ اسی لیے بنو عوف کے یہود معاہدۂ صلح کی وجہ سے سیاسی طور پر مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہیں اگرچہ امتِ محمدیہؐ میں نہیں ہیں۔ علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی احادیث جن میں آنحضرت ﷺ کا اپنی امت کے لیے دعا کرنا بیان ہوا ہے (مسند احمد ۱: ۵۴۲؛ مسلم کتاب الفتن: ۱۹) یا تمام دوسری امتوں پر اس امت کی فضیلت کا ذکر ہے (مسند احمد ۵: ۳۸۳) یا جس حدیث میں کہا گیا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی (ترمذی الفتن: باب ۷) ایسی تمام احادیث میں امت سے مراد 'امت اجابۃ' ہے۔ (۴۴)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کا بھی یہی موقف ہے۔ (۴۵)

چوں کہ نبی کریم ﷺ رحمت للعالمین ہیں اس لیے دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے دنیا کے تمام انسان بلاتفریق مذہب آپؐ کے مخاطب ہیں گویا "امت الدعوۃ" میں شامل ہیں لیکن جب بھی امت کا لفظ تنہا استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ہمیشہ "امت محمدیہ"

''امتِ مسلمہ'' ہی لی جاتی ہے۔ دوسری قوموں کے لیے بصراحت امتِ موسوی یا امتِ عیسوی وغیرہ کی تراکیب استعمال ہوتی ہیں۔

امت اور ملت کی اسی معنوی مماثلت کے باعث اردو شاعری میں بھی ایسی بے شمار مثالیں ہیں جہاں امت کو ملت کے اور ملت کو امت کے بجائے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً:

اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقتِ دعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے (۴۶)

کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اس کی — ہوا پست اسلام پستی سے اس کی (۴۷)

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے — مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے (۴۸)

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبیؐ پہ رو رو کے کہہ رہا تھا — کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں (۴۹)

یا محمدؐ تیری امت مٹ نہیں سکتی مگر — ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آبِ رودِ نیل (۵۰)

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملتِ بیضا کی راہ — ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل (۵۱)

اور پھر ہم پر کہ ہم ہیں امتِ خیر الانامؐ — اس سے نسبت ہے ہمیں جس پر نبوت ختم ہے (۵۲)

تجھ کو بھی کچھ یاد ہے وہ گر ہے کیا تبلیغِ حق — ملتِ اسلام کا جس سے ہوا نشو و نما (۵۳)

مسلمانو! کبھی سوچا ہے اپنی تیرہ بختی پر — کہ تم نے شیشۂ اسلاف قسمت توڑ ڈالا ہے (۵۴)

اپنے مصلح ہیں بہت درک و بصیرت والے — وہ رہِ منزلِ ملت کو بدل ڈالیں گے (۵۵)

مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق یہ چند مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم و جدید اردو کے بیشتر شاعروں نے ملت اور امت کو عموماً ایک ہی مفہوم میں سمجھا ہے۔ خواہ یہ الفاظ مفرد استعمال ہوئے ہوں یا تراکیب میں، دونوں صورتوں میں ملت اور امت کو ہم معنی الفاظ گردانا گیا ہے۔

(د) ملت اور قوم

عربی لفظ ''قوم'' کے معنی لوگوں کی ایک جماعت کے ہیں۔ (۵۶) جن میں باہمی کوئی جامع رشتہ پایا جاتا ہو۔ جیسے زبان یا مذہب وغیرہ۔ (۵۷) امام راغب اصفہانی کے نزدیک یہ صرف مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے جس میں عورتیں شامل نہ ہوں اور قرآن پاک میں عموماً مرد و عورتیں سبھی مراد لیے گئے ہیں۔ (۵۸) عربی۔ انگریزی لغت میں قوم کے مترادف کے طور پر people اور nation کے الفاظ درج کیے گئے۔ (۵۹) عموماً انگریزی لفظ nation کو قوم کے معنوں میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ''نیلسن انگریزی اردو لغت'' کے مطابق nation کے معنی ''ایک ملک، راج یا سلطنت کے لوگ یا باشندے، قوم، جات، گروہ اور برن (ملت)'' کے گئے ہیں۔ (۶۰) اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتبہ ''قومی انگریزی اردو لغت'' میں ''قوم، ملت، علاقہ یا ملک، گروہ جو ایک جیسی زبان بولتے ہوں اور جن کی عموماً ایک ہی نسل ہو''۔ (۶۱) جبکہ مولوی عبدالحق کی مرتبہ لغت میں nation کیلئے صرف ''قوم اور ملت'' کے معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ (۶۲) ''اوکسفورڈ انگلش۔ اردو ڈکشنری'' میں nation کا مطلب ''قوم، ملت جو عموماً ایک نسل، مشترک تاریخ، زبان وغیرہ کی حامل ہوتی ہے اور ایک ملک یا ریاست میں بستی ہے'' درج کیا

گیا ہے۔(۶۳)

اردو زبان میں بھی زیادہ تر لفظ قوم کے مندرجہ بالا معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ صاحب ''نور اللغات'' نے قوم کا مطلب ''آدمیوں کا گروہ، گروہ، فرقہ، خاندان، ذات اور نسل'' درج کیا ہے۔(۶۴) ترقی اردو بیورو نئی دہلی کی مرتبہ ''مختصر اردو لغت'' میں لفظ قوم سے ''آدمیوں کا گروہ، فرقہ، خاندان، ذات، نسل اور ایک تہذیب و تمدن سے تعلق رکھنے والے لوگ'' مراد لیے گئے ہیں۔(۶۵) اور تا حال سب سے ضخیم اور تفصیلی لغت ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' میں مندرجہ بالا معنوں کے ساتھ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ قوم سے مراد ''کسی خطۂ ارض میں رہنے والا وہ گروہ، جس میں نسلی، لسانی اور تاریخی وحدت پائی جاتی ہو اور جو ایک نظام کے تحت متحد ہو''(۶۶)

قوم کا لفظ قرآن پاک میں اپنی تمام تر صرفی اور نحوی شکلوں میں کل ۳۸۲ مرتبہ آیا ہے۔ جس کے ترجمے کے لیے مولانا فتح محمد جالندھری نے ''قوم، لوگ، بھائیوں، ملت، لشکر، جماعت، برادری کے لوگ اور قوم کے لوگ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور مولانا مودودی نے ''قوم، لوگ، گروہ، برادران قوم، باشندے، بھائیوں اور قوم کے لوگوں'' سے ترجمانی کی ہے صرف ایک مقام پر انھوں نے قوم کا ترجمہ ''مرد (حضرات)'' بھی کیا ہے۔(۶۷) تین سو کے لگ بھگ یہ لفظ ''کافر، ظالم، نافرمان، فاسق، منافق، گمراہ، گناہ گار، مفسد، سرکش، بے ایمان، ناانصاف، عہد شکن، ڈرپوک، جاہل، مشرک، ناشکر گزار، مخالف'' وغیرہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۶۸)

اردو زبان میں قوم کا لفظ بھی امت کی مانند ملت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور ''امت مسلمہ یا ملت اسلامیہ'' کے لیے مسلمان قوم کا استعمال روزمرہ میں شامل ہے اس کی نظیریں شاعری میں بھی کثرت سے دیکھی جا سکتی ہیں جہاں شعراء نے لفظ قوم کو ملت اسلامیہ یا امت مسلمہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی — پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے(۶۹)
مسلم نہیں تو جلسۂ قوم بھی نہیں — پھر کیوں یہ شور و غلغلہ و اہتمام ہے(۷۰)
شکستہ ہے جو قصرِ قوم اس کو پھر بنانا ہے — تجھے درپیش ہے تعمیر کرنا اس عمارت کا(۷۱)
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی — بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی(۷۲)
الغرض احساں ترے قوم پہ ہیں بے شمار — اٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بارِ عظیم(۷۳)
ذوقِ یقیں سے گرم کیا قوم کا لہو — ان بے دلوں کو عزمِ تپاں دے کے چل دیا(۷۴)

مندرجہ بالا مثالوں کے باوجود ایک بات کی وضاحت بے حد ضروری ہے کہ لفظ قوم میں ملت اور امت کی سی تخصیص کا نہیں بلکہ تعمیم کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے اور اسی لیے یہ لفظ ''کل'' اور ''جز'' دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ یعنی بہ حیثیت کل مسلمان قوم کیلئے اور بہ حیثیت جز پاکستانی قوم، ایرانی قوم، مصری قوم وغیرہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ اس لفظ کی عمومیت کا دائرہ اس وقت مزید وسیع ہو جاتا ہے جب یہ قوم کے ذیلی جز کیلئے بھی بہ کثرت استعمال ہوتا نظر آتا ہے۔ مثلاً: پٹھان قوم، بلوچ قوم، کرد قوم،

میمن قوم وغیرہ۔ حالاں کہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے جب لفظ قوم استعمال ہوتا ہے تو وہاں اس کے معنی پوری ملت اسلامیہ کے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لفظ جہاں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وہاں قوم کے نہیں قومیت کے معنی رکھتا ہے۔ گویا مسلمان ایک قوم ہیں اور دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والا اس قوم میں شامل ہے اس کے ایک جز کی حیثیت سے۔ یہ جز اپنی بنیادی شناخت، اسلام کے علاوہ کچھ مزید ذیلی شناختیں بھی رکھتا ہے۔ جو خاندان، قبیلہ، نسل، ذات، زبان، علاقہ، فرقہ، شہر، صوبہ اور وطن وغیرہ سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ تمام علیحدہ علیحدہ بھی اور مل کر بھی مسلمان قوم تشکیل نہیں دے سکتیں۔ کیونکہ مسلمان قوم کی بنیاد نظریاتی ہے۔ جس کی اساس اول و آخر کلمہ طیبہ ہے۔ نہ کہ ذات، نسل، زبان، علاقہ، قبیلہ اور وطن وغیرہ۔ کلمہ طیبہ کے دائرے میں آنے کے بعد وہ اپنی دیگر شناخت اور علامات سے دستبردار تو نہیں ہو جاتا البتہ ان کی حیثیت ثانوی ضرور ہو جاتی ہے۔ اور جب کبھی ایسا موقع آتا ہے کہ اس کی بنیادی پہچان یعنی اسلام سے اس کی ذیلی پہچان خاندان، قبیلہ، زبان، نسل، علاقہ وغیرہ متحارب ہوتی ہیں تو وہ ان سب کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ غزوہ بدر میں یہی ہوا تھا۔ جب خاندانی، نسلی، لسانی اور قبائلی اشتراک تو ایک طرف، خونی رشتے آمنے سامنے تھے لیکن نہ تو ابوبکرؓ اپنے بیٹے کے خلاف تلوار اٹھاتے ہوئے ہچکچائے۔(۷۵) اور نہ عمرؓ نے اپنے سگے ماموں کو قتل کرتے وقت ادنیٰ سا تامل محسوس کیا۔(۷۶)

اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ فرد کی نسلی، لسانی، قبائلی، علاقائی اور تہذیبی اور ثقافتی انفرادیت اور شناخت کا انکاری نہیں ہے ایک فرد مسلمان ہوتے ہوئے نہ صرف پاکستانی، ایرانی، شامی اور امریکی ہو سکتا ہے بلکہ سندھی، بنگالی، مغل، راجپوت، ہگٹی اور آفریدی بھی ہو سکتا ہے۔ ان میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب مسلمان اپنی بنیادی شناخت اسلام سے زیادہ اپنی ذیلی شناخت کو زیادہ اہمیت دینا شروع کر دے۔ اس وقت اس کی ایسی تمام نسبتیں ''مذہب کا کفن'' بن جاتی ہیں۔ اور ملی وحدت، جو کہ انما المومنون اخوۃ (حجرات ۱۰) کے مصداق اسلام کا ایک اہم اور بنیادی مقصد ہے، اسے نقصان پہنچتا ہے۔

(ہ) مغربی تصورِ قومیت اور اسلام

قوم کے لغوی معنوں سے قطع نظر اب قوم کا لفظ ایک سیاسی اور عمرانی اصطلاح بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے مشتقات یعنی قومیت اور قوم پرستی وغیرہ بھی اصطلاحات کے زمرے میں شامل ہیں۔ مغربی مفکرین نے ان اصطلاحات پر طویل طویل بحثیں کی ہیں اور مغربی تصور قومیت کو پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ 'وبسٹرز انگلش ڈکشنری' میں قوم (Nation) کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

> "Nation, An extensive aggrigate of persons so closely associated with other by common decent, language, or history as to form of a distinct race or people usually organized as a separate political state and occupying a definite territory"(77)

قومیت(Nationality) کی وضاحت میں "انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس" لکھتا ہے:

" Nationality is that quality or complex of qualities in a group of persons which combines them in a nation" (78)

اور "انسائیکلوپیڈیا امریکانا" کے مطابق:

"Nationality, is a term used in both cultrual and legal sense. As a cultural term, nationality reffers to the cultural, racial, linguistic and ideological status of an individual or group"(79)

گویا مغربی تصورِ قومیت میں نسل، زبان، تاریخ، ثقافت، علاقہ، نظریات اور مشترکہ مفادات وغیرہ اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن کسی قوم کی تشکیل میں "مذکورہ تمام عناصر میں سے کسی ایک عنصر کی کمی یا بیشی پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف اقوام کے احساسِ تفاخر میں مختلف عناصر نے کلیدی کردار ادا کیا ہے"(۸۰)

مغربی تصورِ قومیت نے صحیح معنوں میں عروج انیسویں صدی میں حاصل کیا اور بیسویں صدی کے نصف اول تک "قوم پرستی کے آگے تمام جذبے ہیچ نظر آنے لگے تھے۔ جارحانہ قوم پرستی کا یہی رویہ بالآخر دو ہولناک عالمی جنگوں کا باعث بنا"(۸۱) تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی نظریۂ قومیت افریقی اور ایشیائی ممالک میں بیشتر کے لیے بقا کا پیغام بھی لے کر آیا اور متعدد ممالک غیر ملکی تسلط سے آزاد بھی ہوئے۔ نئی نئی جغرافیائی حد بندیاں وجود میں آ گئیں اور قومیت نے وطنیت کا روپ دھار لیا۔ اب وطن پرستی، قوم پرستی کے ہم معنی ہو گئی۔ اسی جذبے نے جب شدت اختیار کی تو قوم کی تشکیل کے دوسرے عناصر پس منظر میں چلے گئے اور علاقائی حد بندیوں کی بنیاد پر قوموں نے اپنی شناخت پر زور دینا شروع کر دیا۔ اپنے تحفظ اور اپنی بقا کے جذبے نے دوسری قوموں کی بقا خطرے میں ڈال دی۔ اور جوع الارض نے دوسرے ممالک پر تسلط کا خود غرضانہ اور حریصانہ طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔(۸۲) اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی "قوم پرستی اور انسان دشمنی میں کوئی امتیاز یا فاصلہ نہیں ہے"(۸۳)

جدید نیشنلزم کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"یورپ میں جن تخیلات اور جن اصولوں پر نیشنلزم کا نشوونما ہوا ہے وہ انسانیت کی عین ضد ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو فساد، ظلم اور خون ریزی سے بھرنے والے اور انسانی تہذیب کے پرامن نشوونما اور ارتقا کو روکنے والے اصول ہیں۔۔۔ یہ انسان کو تنگ دل، تنگ نظر اور متعصب بناتے ہیں۔ یہ قوموں اور نسلوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر حق و انصاف اور انسانیت کی طرف سے اندھا کر دیتے ہیں"(۸۴)

حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں جب بھی اور جہاں بھی لسانی، نسلی، علاقائی اور ثقافتی بنیادوں پر قوم کی تشکیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس نے مسلمانوں کے تصورِ ملت کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ بنوامیہ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے تک اور جدید ترکی کے قیام سے سقوطِ مشرقی پاکستان تک کے واقعات نے اغیار کو پوری امتِ مسلمہ پر جھپٹنے کے مواقع خوب فراہم کیے

ہیں اور انھیں یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں غرق ہو گیا۔ تاہم یہ بھی امر واقعہ ہے بظاہر تقسیم در تقسیم ملت اسلامیہ میں ہمیشہ سے ایک خدا، ایک نبی ﷺ اور ایک دین کے ساتھ ساتھ ایک امت کا تصور بھی موجود رہا ہے جو حالات کے ہاتھوں دھندلاتا تو رہا ہے لیکن یکسر معدوم کبھی بھی نہیں ہو سکا۔ اگر صرف برعظیم پاک و ہند کی مثال لی جائے تو ہندوستانی مسلمانوں کا ترکی اور فلسطین کے معاملات پر حد درجہ اضطراب اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کو پوری مسلمان قوم پر زیادتی کے مترادف سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور عملی طور پر مظلوم مسلمانوں کی مدد نہ کر سکنے کی بے بسی کا ازالہ دعاؤں اور کوسنوں کے ذریعے تو ضرور ہی ہوتا رہا ہے" کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں" محض اکبر کی شوخی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے مسلمانوں کی نفسیات کارفرما ہے۔(۸۵)

(و) ملی شاعری کیا ہے؟

جس شاعری کا تعلق ملت اسلامیہ سے ہو وہ ملی شاعری ہے۔ چوں کہ ملت اسلامیہ کے معاملات بے شمار ہیں اس لحاظ سے ملی شاعری کی بھی ہزار جہتیں، ہزار موضوعات ہیں۔ یہ شاعر کی نگاہِ انتخاب ہے کہ اس نے ملت کے کس معاملے کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ مثلاً:

ملت کی زبوں حالی کی نشان دہی یا زبوں حالی پر اظہارِ تاسف

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود (۸۶)
بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی — چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک (۸۷)
غضب ہے کہ پابندِ اغیار ہو کر — مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہو کر (۸۸)

ملی مسائل کے حل کی تجاویز

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو — اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی (۸۹)
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو — ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر (۹۰)
تدبیر یہ ہے کہ اب سنبھل کر — ہم آپ کھڑے ہوں اپنے بل پر (۹۱)

ملت کی عظمتِ رفتہ پر احساسِ تفاخر

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا — ہوا جس سے اسلام کا بول بالا (۹۲)
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے (۹۳)
کچھ فقط تیغ و سناں ہی میں نہ تھے ہم مشہور — ہم نے ہر فن میں دکھایا یدِ بیضا کیسا (۹۴)

ملت کے روشن مستقبل کی نوید

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا (۹۵)
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے (۹۶)

گر فضا ہے تیرہ و تار اے مسلماں غم نہ کر — ظلمتِ شب سے سحر ہو گی نمایاں غم نہ کر (۹۷)

فردِ واحد کی ملت کے نمائندے کی حیثیت سے تعریف و تحسین یا توہین و تذلیل

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار (۹۸)

امان اللہ خاں فخرِ سلاطینِ زماں تو ہے — کہ ناموسِ رسولِ ہاشمیؐ کا پاسباں تو ہے (۹۹)

خطیبِ اسلام کے سیرت فروشی سے کریں توبہ — زمیں کا ذکر کیا خود آسماں تسخیر ہو جائے (۱۰۰)

ملی تشخص کی علامات و آثار کا فخریہ یا متاسفانہ ذکر

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے — مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں (۱۰۱)

اے سرنگا پٹم اے گنجِ شہیدانِ کرام — آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود (۱۰۲)

عہد کو جس نے نبھایا وعدۂ محکم کے بعد — جس نے ملت کو سنبھالا قائدِ اعظم کے بعد (۱۰۳)

تحفظِ ملت کے عزائم

چراغِ کعبہ سے جگ میں اجالا ہونے والا ہے — ہمالہ کو میں اس کے نور سے فاران کر دوں گا (۱۰۴)

اسی سے ملتِ خوابیدہ جاگ اٹھے شاید — وطن میں عام پھر اقبال کا ترانہ کریں (۱۰۵)

آج سے کفر پہ فرمانِ قضا نافذ ہے — اب ہمارا ہے یہ اعلان کہ ہم اٹھے ہیں (۱۰۶)

ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کو للکار

اسلام کفر سے نہ دبا ہے نہ دب سکے — کہہ دو یہ سنگھٹن کی سبھا میں پکار کر (۱۰۷)

مٹا سکتا نہیں باطل کبھی مجھ کو زمانے سے — کہ اس ہنگامۂ باطل میں حق کا ترجماں میں ہوں (۱۰۸)

یوں جنگ تہہ افلاک کرو، کفار کا سینہ چاک کرو — دشمن کی صفوں کو خاک کرو، یلغار چلے یلغار چلے (۱۰۹)

تبلیغ و تلقین یا دعوتِ جہاد

ہاں کمر بستہ ہو اے قوم ترقی کے لیے — آج کے کام میں للہ نہ فردا کیجیے (۱۱۰)

جذبۂ تبلیغ سے ملت کی ہے بالیدگی — سوکھ جائے گا وہ پودا جس کا بڑھنا رک گیا (۱۱۱)

اس کے سوا جہاد کے معنی ہیں اور کیا — اسلام کا وقار بڑھاتے ہوئے چلو (۱۱۲)

یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ ملی شاعری لاتعداد موضوعات کے تحت ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ بلکہ شاعر بعض اوقات انفرادی معاملات کو بھی وسیع تناظر میں پیش کر کے اس کے ڈانڈے ملی شاعری سے ملا دیتا ہے۔ تخصیص قصائد اور مراثی میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ بات صرف شاعر کے طرزِ اظہار کی ہے۔ واضح رہے کہ بہت سی نظمیں ایسی ہیں جو خالص مذہبی اور تاریخی نوعیت کی حامل ہیں۔ مثلاً حفیظ جالندھری کی "شاہنامۂ اسلام" یا شبلی نعمانی کی "عدلِ فاروقیؓ کا ایک نمونہ" وغیرہ۔ ایسی نظموں کو بنظرِ احتیاط ملی شاعری کے زمرے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں تک حالی کے "مسدسِ مدوجزرِ اسلام" کی بات ہے، اسے ملی شاعری میں شمار

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسدس کے مذہبی اور تاریخی پہلو کو ملت کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ اور عصرِ حاضر کو زمانۂ ماضی کے آئینے میں دیکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ نیز شاعر کے پیشِ نظر ملتِ اسلامیہ یا برِعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ اور اس کے مسائل ہیں۔ گویا نظم پر مذہب اور تاریخ کے بجائے ملت غالب ہے۔ جبکہ حفیظ اور شبلی کی متذکرہ بالا نظموں میں ملت کے بجائے مذہب اور تاریخ غالب ہیں۔ اگرچہ ایک مخصوص معنی میں ان نظموں کا تعلق بھی ملت سے ہی ہے لیکن ملت سے اس قسم کا تعلق تو حمد، نعت، مرثیہ اور منقبت وغیرہ سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے ایسی نظموں کو ملی شاعری میں شمار نہیں کیا جاتا۔

(ز) ملی، قومی اور وطنی شاعری

عموماً ملی، قومی اور وطنی شاعری کو باہم مترادف سمجھا جاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ قومی شاعری کو صرف اس وقت ملی شاعری کے مترادف سمجھا جانا چاہیے جب قوم ملت کے معنوں میں ہو اور قوم سے مراد صرف مسلمان قوم ہو۔ بصورتِ دیگر اسے ملی شاعری میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ مثلاً:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!   تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں (۱۱۳)

ملی شاعری نہیں قومی شاعری ہے۔ کیوں کہ اقبال کے مخاطب صرف مسلمان نہیں بلکہ تمام ہندوستانی ہیں جن میں ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ لیکن یہی اقبال جب یہ کہتے ہیں:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا   مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا (۱۱۴)

تو ان کا روئے سخن صرف مسلمانوں کی جانب ہے اور اس لیے یہ ملی شاعری ہے۔ یہی کیفیت وطنی شاعری کی بھی ہے اگر شاعر وطن کو ملی تشخص کی علامت سمجھ کر شعر کہتا ہے اور شعر میں بھی ایسا جلی یا خفی قرینہ موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے ''وطن'' کو ''ملت'' کے جز کے طور پر لیا ہے اور جز اپنے کل پر حاوی نہیں ہے تو بلاشبہ اس قسم کی وطنی شاعری کو بھی ملی شاعری کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

جوشِ جہادِ خواجۂ کونینؐ کے طفیل   اقبال کے وطن کا تمغہ دار ہوگیا (۱۱۵)

یہی بات ہنگامی اور سیاسی نوعیت کی شاعری پر بھی صادق آتی ہے۔ متعدد منظومات ایسی ہیں جو کہ اگرچہ کسی خاص واقعے کے پس منظر میں یا اس کے باعث معرضِ وجود میں آئی ہیں لیکن ان میں ملی عناصر موجود ہیں۔ اس لیے ایسی منظومات کو بھی ملی شاعری کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان کی بہت سی ایسی نظمیں ملی شاعری میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ''جنگِ طرابلس'' ۱۹۱۲ء سے چند اشعار مثال کے طور پر پیشِ خدمت ہیں:

کھیل بچوں کا جسے سمجھا تھا اٹلی نے وہ جنگ   کر رہی ہے قافیہ اس کے جوان مردوں کا تنگ
نعرۂ اللہ اکبر جب زباں پر آئے گا   تیرے ہاتھوں سے چھڑا دیں گے ہم اے روما تفنگ
مدعا یہ ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام   واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذر لنگ
آج ایراں ہے تو کل کابل کی باری آئے گی   گر یہی ہے روسیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ (۱۱۶)

نیز شبلی کی مسجد کانپور کی شہادت پر ولولہ انگیز نظم ''ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں'' سے چند اشعار

کل مجھ کو چند لاشۂ بے جاں نظر پڑے — دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں
کچھ طفلِ خورد سال ہیں جو چپ ہیں خود مگر — بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
آئے تھے اس لیے کہ بنائیں خدا کا گھر — نیند آ گئی ہے منتظرِ نفخِ صور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم؟ آئی یہ صدا — ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں (۱۱۷)

اس ضمن میں حرفِ آخر کے طور پر ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا کی رائے نہایت صائب معلوم ہوتی ہے جو قومی اور ملی شاعری کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب شاعر کی شاعری میں ملک کے تمام عوام کی فلاح و بہبود کی بات ہو اور قوم کا درد، قوم کی خوشحالی کی تمنا، قوم کی تعلیمی پسماندگی، ان پر گھرے ہوئے ادبار کی بدلی اور اس بدلی سے نجات دلانے کے لیے کوئی تدبیر اور کوشش شاعر کے پیشِ نظر ہو تو وہ قومی شاعری ہوگی لیکن جب شاعر کے سامنے پوری دنیا میں پھیلے ایک مخصوص مذہب کے ماننے والے ہوں گے تو اسے ملی شاعری کہیں گے۔ اقبال کی نظم ہمالہ، نیا شوالہ، ترانۂ ہندی، تصویرِ درد، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت وغیرہ قومی شاعری کی مثال ہیں لیکن شکوہ، جوابِ شکوہ، لینن خدا کے حضور میں، مسجد قرطبہ وغیرہ ملی شاعری کی مثال ہیں۔ حالی کی شاعری کا بڑا حصہ ملی شاعری کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن قومی شعور کی شاعری بھی ان کے یہاں وافر مقدار میں ہے''(۱۱۸)

(ح) ملی شاعری کا آغاز

اردو شاعری کے مطالعے سے یہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ''اردو شاعری کا سرمایہ صرف تغزل نہیں''(۱۱۹) ''اس میں ہماری ملت کی حالت اس کی بیم و رجا کی کیفیت، اس کی امیدیں اور آرزوئیں، اس کی ناکامیوں اور کامیابیاں، اس کے ارادے اور منصوبے غرض ملی زندگی کا ہر پہلو پوری طرح منعکس ہوا ہے''(۱۲۰) اور ''اردو شاعری قومی اور سماجی شعور سے ہمیشہ بہرہ ور رہی ہے اور اس نے ملکی اور قومی معاملات سے لاتعلقی کا ثبوت نہیں دیا ہے''(۱۲۱) ''اردو زبان کے شاعروں نے نہ صرف بیداریٔ ملت اور آزادیٔ ملت کی تحریکوں کو اپنی شاعری سے پروان چڑھایا اور توانائی بخشی بلکہ ایسے شاعروں کی بھی کمی نہیں جنھوں نے ان تحریکوں میں عملی حصہ لے کر انھیں تقویت دی''(۱۲۲) اردو شاعری میں ملی مسائل کہیں صاف صاف بیان ہوئے ہیں تو کہیں تشبیہ اور استعارے اور رمز و کنائے کا سہارا لیا گیا ہے۔(۱۲۳) برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں میں اپنے علیحدہ ملی تشخص کا احساس ہمیشہ سے موجود رہا ہے اسے نہ تو اکبر کا دینِ الٰہی دبا سکا نہ دارا شکوہ کی وسیع المشربی اس کا کچھ بگاڑ سکی۔ خود اکبر جیسے مطلق العنان بادشاہ کے دور میں ''سرمایۂ ملت کا نگہبان'' مجدد الف ثانی کا وجود اور ان کی مقبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہبی رواداری کی آڑ میں مسلمان اپنے ملی تشخص سے دست بردار ہونے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوئے۔ گل و بلبل اور لب و رخسار کے گیت گانے والا شاعر بھی اسی معاشرے کا حصہ تھا۔ لہٰذا وہ ملی شعور سے کیسے بے بہرہ ہو سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری میں ملی شعور ابتدا سے ہی موجود

تھا تاہم یہ ضرور ہے کہ بیشتر مقامات پر اس کا اظہار واضح اظہار بیان کی صورت میں نہیں بلکہ "ایما و اشارہ، مجاز و استعارہ اور کنایہ وعلامت کے رنگ میں" ہوا ہے۔(۱۲۴)

ملی شعور کا براہ راست اظہار شاعری میں سب سے پہلے کب ہوا؟ اس پر ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بے نوا نامی شاعر کا ایک بند درج کیا ہے اور لکھا ہے:

> ''محمد شاہی عہد میں مسلمان موچی اور ہندو جوہری کے درمیان ہونے والا جھگڑا اردو شاعری میں مسلمانانِ ہند کے ملی شعور کے پہلے عکس کے طور پر ہمیشہ کے لیے یادگار رہ گیا ہے۔ بے نوا نے اپنے شہر آشوب میں اس واقعے کو ملی عصبیت کے رنگ میں پیش کیا ہے''(۱۲۵)

مذکورہ بند مندرجہ ذیل ہے:

یہ کیا ستم کیا اے فلک ہرزہ نابکار　　　مریخ نے جو تیز کی خنجر کی اپنے دھار
جوتے فروش مرد مسلماں دیندار　　　مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار(۱۲۶)

یہی بند ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے "مریخ پھر کے تیز کیا خنجروں کی دھار" کی معمولی سی تبدیلی کا ساتھ اپنے مقالے میں درج کیا ہے۔(۱۲۷) ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بھی مذکورہ بند کو اپنے مقالے میں نقل کیا ہے۔(۱۲۸) انھوں نے میر کی "نکات الشعراء" کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن اس میں یہ بند مزید جزوی تبدیلی کے ساتھ نظر آتا ہے اور دوسرا اور چوتھا مصرع بالترتیب اس طرح درج ہے۔

مریخ پھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار اور مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار(۱۲۹)

اول الذکر مصرعے کو حافظ محمود شیرانی نے درست قرار دیا ہے۔(۱۳۰)

لیکن مزید تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا بند، جس کو "ملی شعور کا پہلا عکس" قرار دیا جارہا ہے، سے پہلے بھی ملی شاعری کے آثار موجود تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بالا بند جس واقعے سے متعلق ہے وہ محمد شاہی عہد میں ۱۷۲۹ء میں پیش آیا۔(۱۳۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ بے نوا نے یہ بند ۱۷۲۹ء میں یا اس کے بعد ہی لکھا ہوگا۔ حالاں کہ اس سے بہت پہلے ملی شاعری کی چند مثالیں ہمیں تاریخ کے صفحات پر نظر آتی ہیں۔ مثلاً بے نوا سے قریب تر زمانۂ ماضی میں قاضی محمود بحری ہے جس کا انتقال ۱۷۱۷ء میں ہوا تھا۔(۱۳۲) بحری نے اورنگ زیب کا زمانہ دیکھا تھا۔ اس نے اپنی مشہور مثنوی "من لگن" میں "در مدح بادشاہ دین پناہ اورنگ زیب غازی" کے عنوان سے چند اشعار لکھے ہیں اور اورنگ زیب کو نبی کی شریعت نافذ کرنے میں کوشاں، کافروں کا قلع قمع کرنے والا اور اسلام کو رواج دینے والا دکھایا گیا ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

اب بول توں مدح بادشاہ کا　　　ہور اس کی کمالیت کھر کا
جس ناؤں اہے ابوالمغازی　　　سلطان اورنگ زیب غازی
دیندار، دلیر اور دانا　　　یک علم نہ سب منے سیانا

دیکھیا نہیں حکم بن کسی دھر   باندیا ہے نبیؑ کے شرع سوں سر
گڑ کوٹ کے کافراں کو ماریا   آکاس تے دھرت پر اتاریا
پانچ سو ان سوں باج لیتا   اسلام کوں یوں رواج دیتا (۱۳۳)

نصرتی جسے ملک الشعراء کا خطاب حاصل تھا جو سلطنت بیجاپور یا عادل شاہی عہد (۱۴۹۰ء۔۱۶۸۶ء) کے آخری دور کا شاعر تھا۔(۱۳۴) اس کے دیوان میں "مثنوی تاریخ اسکندری" ملتی ہے۔ جب علی عادل شاہ ثانی ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ء) میں وفات پا گیا تو اس کا پانچ سالہ بیٹا سکندر عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ سیواجی نے موقع دیکھ کر قلعہ پنالہ پر قبضہ کر لیا۔ بہلول خان نے دوروزہ جنگ میں اسے شکست دے دی۔ یہ مثنوی اسی دوروزہ جنگ کی روداد پر مشتمل ہے۔(۱۳۵) اس میں کئی اشعار ایسے ہیں جس میں واضح طور پر اسلامی تشخص پر زور دیا گیا اور اس لڑائی کو کفر و اسلام کی جنگ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً:

دل اسلام کا جیوں وو دیکھیا غنیم   رکیا تھا سو یک بت سوں فوجاں عظیم
کہیا یو تو کافر تیا کچھ ہے سانچ   مسلمان بانٹے پہ ہویں سکوں پانچ
رکھو ماریو فوج کافر پلید   رکھو کھیت پا سب ہو مسلم شہید
لے کاٹ یوں کافراں کو کہیں   کر قربانی بکریوں کو جیوں حج کی دیں
دل اسلام کا تھا سو معدود تھا   کومک غیر حق ان پہ نابود تھا
کر پکڑے ہیں لگ لڑوو کافر پلید   ہوئے آہ سب پانچ مارے شہید (۱۳۶)

ایک مثال محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۵ء۔۱۶۱۱ء) کی بھی ہے جسے اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کہا جاتا ہے جس کے "کلام میں ہندوستانی ماحول، ہندو دیو مالا اور ہندوستانی طرز فکر کا اثر نمایاں ہے"(۱۳۷) جو جیحوں اور سیحوں کے بجائے گنگا اور جمنا کا ذکر کرتا ہے"(۱۳۸) "ہند لسانی [کذا] تہذیب کا پروردہ، ہندوستانیت کا پرستار اور ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کی عورتوں سے شادی کرنے والا"(۱۳۹) قلی قطب شاہ بظاہر اکبر کے قومی وحدت کے تصور کا دکنی نمائندہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب وقت آتا ہے تو اس کا سویا ہوا دینی اور ملی شعور جاگ جاتا ہے۔ رام راج کے جانشین، وینکٹ پتی راج اور اس کی ہندو فوجوں سے معرکہ آرائیوں کے ہنگام وہ اپنی فوجوں سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے:

محمدؐ دین قائم ہے ہندو بھاراں بھگاوو تم   سیاہی کفر کی بھانو اجالا جگ منگا دو تم
اجالے دین میں فوجاں جو آویں ذات کرم کی   تو حیدر کی کٹاریاں سوں بیا ان کا جے اودو تم (۱۴۰)

"کلیات محمد قلی قطب شاہ" میں دوسرا شعر اس طرح ہے:

اجالے دین میں فوجاں جو آویں دات کرم کی   تو حیدر کی کٹاریاں سوں بیا ان کا جے اوتم (۱۴۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے مسلمان شاعر دوسری تہذیبوں کے رنگ میں چاہے کتنا ہی رنگ جائے لیکن اس کے لاشعور میں ایک علیحدہ تشخص کا احساس ہمیشہ موجود رہتا ہے جو عام حالات میں دبا ہوا ہوتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر ابھر کے سامنے ضرور آتا ہے۔

ملی شاعری کے اوّلین نمونے کی تلاش میں ماضی کے سفر میں کچھ مزید فاصلے طے کرنے کے بعد "حسن شوقی" نامی ایک شاعر سامنے آتا ہے۔ جس کا دیوان ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کیا ہے اور مقدمے میں حسن شوقی کا سن پیدائش قیاساً ۹۴۸ھ (۴۱-۱۵۴۲ء) اور سن وفات قیاساً ۱۰۴۲ھ اور ۱۰۵۰ھ (۳۳-۱۶۳۲ء تا ۱۶۴۰ء) کے درمیان متعین کیا ہے۔ حسن شوقی کا تعلق نظام شاہی، عادل شاہی اور قطب شاہی تینوں درباروں سے رہا۔ دکن میں بہمنی سلطنت کے خاتمے ۹۲۴ھ (۱۵۱۸ء) کے بعد پانچ خود مختار سلطنتیں ۱۔ عماد شاہی (برار) ۲۔ عادل شاہی (بیجاپور) ۳۔ بریدشاہی (بیدر) ۴۔ نظام شاہی (احمد نگر) اور ۵۔ قطب شاہی (گولکنڈہ) وجود میں آئیں۔ ان خود مختار سلطنتوں کا دور سوا تین سو برس تک قائم رہا۔ اسی دور میں جنوب میں ہندوؤں کی ریاست وجیا نگر بھی قائم ہوئی۔ جنگ تالیکوٹ یا تلی کوٹہ ۹۷۲ھ بمطابق ۱۵۶۴ء وجیا نگر کے راجہ رام راج اور ابراہیم قطب شاہ کی متحدہ افواج کے درمیان ہوئی جس میں رام راج کو شکست فاش ہوئی اور وہ قتل ہوا۔ (۱۴۲) حسن شوقی نے ایک مثنوی "فتح نامہ نظام شاہ" لکھی۔ (۱۴۳) یہ فتح نامہ حسن شوقی نے حسین نظام شاہ کے سامنے پیش کیا جس کی ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ فتح نامہ کی تصنیف کے وقت غالباً وہ نظام شاہیوں کے دربار میں تھا کیوں کہ اس نے فتح کا سہرا نظام شاہ کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے حالاں کہ جنگ تلی کوٹہ میں دکن کی سب اسلامی سلطنتیں شریک تھیں۔ (۱۴۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک حسن شوقی اپنے زمانے کا مسلم الثبوت استاد تھا۔ (۱۴۵) "فتح نامہ نظام شاہ" میں متعدد اشعار ایسے ہیں جن میں شاعر واضح الفاظ میں اس جنگ کو کفر و اسلام کی جنگ قرار دیتا ہے۔ وہ اس مثنوی میں ہندوستانی قومیت نہیں بلکہ اسلامی قومیت پر نازاں دکھائی دیتا ہے اور فتح کو دین اسلام کی فتح قرار دیتا ہے:

ہوا قتل کفار اکثر تمام　　بدین محمد علیہ السلام
ظفر یو ہوا دین کی پیروی　　ہوا دین اسلام روشن قوی
مجھے حوض کوثر و زمزم کی سوں　　مجھے حرف مہمل و مجمل کی سوں

آگے چل کر فتح پر خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

ہوئی دین داراں کوں شادی تمام　　بہ برکت محمد علیہ السلام (۱۴۶)

ان اشعار میں ملی عصبیت اپنے بھرپور انداز سے جلوہ گر ہے اور شاعر علاقائی، وطنی، ثقافتی اور لسانی اشتراک کو یکسر نظر انداز کرکے محض دینی یا ملی اشتراک کا اسیر نظر آتا ہے۔ یہی وہ اشعار ہیں جنھیں ملی شاعری کا ابتدائی نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ بے نوا کا زمانہ تصنیف ۱۷۲۹ء ہے اور حسن شوقی نے مندرجہ بالا اشعار ۱۵۶۴ء میں یعنی بے نوا سے ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) برس پہلے کہے تھے۔ لہٰذا جب تک حسن شوقی سے بھی قدیم دور کے ملی شاعری پر مبنی اشعار دستیاب نہ ہو جائیں اس وقت تک حسن شوقی کے مذکورہ اشعار کو ہی ملی شاعری کا اوّلین نمونہ سمجھنا چاہیے۔ البتہ یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ایک طویل عرصے تک ملی شاعری کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے تہی دامنی کا شکار رہی ہے اور اس ضمن میں بڑی شاعری دیکھنے میں نہیں آئی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک مومن کے استثنیٰ کے ساتھ معروف شعراء نے ملت کے مسائل کو بالعموم درخور اعتنا نہیں جانا۔ اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ء تک مسلمان حکمرانوں کا

اقتدار بظاہر مستحکم تھا لیکن اس اولوالعزم بادشاہ کے آنکھیں بند کرتے ہی وسیع و عریض مغلیہ سلطنت کے حصے بخرے ہونا شروع ہو گئے اور زوال کا سفر بالآخر سقوطِ دلّی پر ختم ہوا۔ اس دوران کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جو برعظیم پاک و ہند کی ملّت اسلامیہ کے اضطراب میں اضافے کا باعث بنے۔ مثلاً انگریزوں کا بڑھتا ہوا اثر و رسوخ، مرہٹوں کی غارت گری، بیرونی حملے، خود غرض حکمرانوں کی عیاشیاں اور ملکی مسائل کی جانب سے بے اعتنائی، عظیم الشان مغلیہ سلطنت کی تقسیم در تقسیم اور اس کے باعث مسلسل خانہ جنگی کی سی کیفیت، اپنوں کی غداریوں کے باعث سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی شہادت، تحریک مجاہدین کی ناکامی اور مجموعی طور پر ملّت کی کسمپرسی اور اخلاقی زبوں حالی وغیرہ ایسے معاملات تھے جو موضوعِ سخن بن سکتے تھے۔ اور بعض شعراء نے کہیں کھل کر اور کہیں رمز و کنایہ کے پردے میں ان معاملات کو بیان کیا بھی ہے لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ اور نامور شعراء نے اس جانب توجہ کم کم ہی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی ملّی شاعری کا سرمایہ معیار اور مقدار کے لحاظ سے خاصا قلیل ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود ملّی شاعری کو کسی حالی کا انتظار ہے۔

سطورِ بالا میں پیش کیے گئے شواہد سے جو نتائج نکلتے ہیں ان کے مطابق مسلمان دیگر تصوراتِ قومیت کے مطابق کوئی قوم نہیں بلکہ ملّت یا اُمت ہیں اور مسلمانوں کے نظریۂ ملّی کی بنیاد صرف اور صرف کلمۂ طیبہ ہے۔ اور اسی کلمے کے حامل اور قائل آپس میں بھائی بھائی ہیں گویا ایک ملّت ہیں۔ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ صرف قرآن پاک ہی سے اگر مثالیں لی جائیں تو آلِ عمران: ۱۰۳؛ البقرۃ: ۱۲۸، ۱۴۳ اور ۲۲۲؛ الحجر: ۴۷؛ التوبہ: ۱۱ اور ۷۱؛ الاحزاب: ۵؛ الحجرات: ۱۰ اور الحشر: ۱۰ کی آیات اس بات کی صریحاً گواہی دیتی ہیں۔

جہاں تک ملّی شاعری کا تعلق ہے ملّی شاعری صرف وہ ہے جس کا تعلق صرف ملّتِ اسلامیہ سے ہو۔ ہر قسم کی وطنی، قومی، انقلابی یا اصلاحی شاعری کو ملّی شاعری نہیں کہا جا سکتا اور یہ بھی کہ ملّی شاعری کا آغاز اٹھارویں صدی میں نہیں جیسا کہ اکثر سمجھا جاتا ہے بلکہ سولھویں صدی میں ہوا تھا۔

حواشی

۱۔ عربی۔ اردو، اضافہ شدہ جدید ایڈیشن ۱۹۷۵ء
۲۔ عربی۔ اردو۔ ۱۳۶۸ھ
۳۔ "معجم القرآن" (عربی۔ اردو)، ۱۳۰۷ھ
۴۔ "مفردات القرآن" (عربی۔ اردو) بذیل "ملّت"
۵۔ ایضاً
۶۔ ایضاً
۷۔ مرتب: ڈاکٹر [illegible]

۸۔ مرتب ،الیاس انطون

۹۔ ساتویں جلد ،ایڈیشن ۱۹۷۸ء

۱۰۔ مرتب ،سید محمد دہلوی ،ایڈیشن ۲۰۰۲ء

۱۱۔ مرتب ،وارث سرہندی ،ایڈیشن ،س ن

۱۲۔ مرتب ،اردو لغت بورڈ ،ایڈیشن ۲۰۰۶ء

۱۳۔ جلد ۲۱، ص ۵۹۵۔۵۹۷

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ حالی ،الطاف حسین: "کلیاتِ نظمِ حالی" (جلد دوم)، ص ۱۶۴

۱۶۔ شبلی نعمانی: "کلیاتِ شبلی"، ص ۵۳

۱۷۔ ظفر علی خان: "بہارستان"، ص ۱۳۰

۱۸۔ اقبال ،محمد ،علامہ: "کلیاتِ اقبال"، ص ۹۸۰/۶۱۸ واضح رہے کہ اقبال اکادمی کی مرتبہ "کلیاتِ اقبال" میں دو قسم کے صفحہ نمبر درج ہیں۔ اوپر کلیات کا مجموعی نمبر اور نیچے اسی کے نیچے خط کھینچ کر مخصوص شعری مجموعے مثلاً: "بانگِ درا"، "بالِ جبریل" وغیرہ کا صفحہ نمبر لکھا گیا ہے۔ سہولت کی خاطر اس مقالے میں ہر جگہ کلیات کا مجموعی نمبر درج کیا گیا ہے۔

۱۹۔ نیرنگ ،میر غلام بھیک: "کلامِ نیرنگ"، ص ۱۵۹

۲۰۔ شورش کاشمیری: "کلیاتِ شورش کاشمیری"، ص ۹۱۰

۲۱۔ رحمان کیانی: "حرفِ سپاس"، ص ۹۸

۲۲۔ "اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے"، مشمولہ: "اقبال معاصرین کی نظر میں"، ص ۲۷۷

۲۳۔ بقرہ: ۱۳۰، ۱۵۳؛ آلِ عمران: ۹۵؛ نساء: ۱۲۵؛ انعام: ۱۶۱؛ نحل: ۱۲۳؛ حج: ۷۸

۲۴۔ اعراف: ۸۹، ۸۸؛ ابراہیم: ۱۳؛ کہف: ۲۰

۲۵۔ یوسف: ۳۸

۲۶۔ بقرہ: ۱۲۰

۲۷۔ یوسف: ۳۷

۲۸۔ اعراف: ۸۸

۲۹۔ سورۂ ص: ۷

۳۰۔ اس مقالے میں الفاظِ قرآنی کے اردو ترجمے کی تمام مثالیں "علم القرآن" (اردو ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری، ترجمانی: مولانا مودودی) سے لی گئی ہیں اور بنظرِ اختصار دیگر اہم تفاسیر کی مثالیں ضروری نہیں سمجھی گئی ہیں۔

۳۱۔ "تدبرِ قرآن" بذیل تفسیر آیتِ مذکورہ

۳۲۔ "تفسیر ابنِ کثیر" (اردو ترجمہ) بذیل تفسیر آیتِ مذکورہ

۳۳۔ "المنجد" بذیل ملّ

۳۴۔ عربی۔اردو، مرتب: ڈاکٹر فضل الرحمان

۳۵۔ "بیان اللسان" (عربی۔اردو)

۳۶۔ عربی۔ اردو

۳۷۔ ''القاموس الوحید'' (عربی۔ اردو)

۳۸۔ ملاحظہ ہو: ہانس ویر: عربی۔ انگریزی ڈکشنری، ایڈیشن ۱۹۸۲ء، نیز ''القاموس العصری'' عربی۔ انگریزی، مطبوعہ ۱۹۷۶ء

۳۹۔ جلد اول، ایڈیشن ۱۹۷۷ء

۴۰۔ جلد سوم، ایڈیشن ۱۹۸۰ء

۴۱۔ ''علم القرآن'' بحوالہ بالا

۴۲۔ ''سیرت ابن ہشام'' (اردو ترجمہ)، جلد اول، ص ۵۱۷

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ جلد سوم (نقش ثانی)

۴۵۔ ''وقت کا نظریہ (تعارف و تاریخ)''، ص ۳۶

۴۶۔ حالی، الطاف حسین: ''کلیات نظم حالی'' (جلد دوم)، ص ۱۷۷

۴۷۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۴۸۔ اقبال، محمد، علامہ، بحوالہ بالا، ص ۱۹۷

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۸۹

۵۰۔ ظفر علی خان: ''بہارستان''، ص ۴۲

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ نیرنگ، میر غلام بھیک، بحوالہ بالا، ص ۱۵۲

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۵۴۔ شورش کاشمیری، بحوالہ بالا، ص ۸۳۲

۵۵۔ ایضاً، ص ۹۸۴

۵۶۔ ''المنجد'' بحوالہ بالا

۵۷۔ ''القاموس الوحید'' بحوالہ بالا

۵۸۔ ''مفردات القرآن'' بحوالہ بالا

۵۹۔ ''القاموس العصری'' بحوالہ بالا

۶۰۔ ایڈیشن ۱۹۷۶ء

۶۱۔ ایڈیشن ۱۹۹۳ء

۶۲۔ ''دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری''، ایڈیشن ۱۹۸۱ء

۶۳۔ مرتب و مترجم، شان الحق حقی، ایڈیشن ۲۰۰۳ء

۶۴۔ مؤلف، مولوی نور الحسن نیر، ایڈیشن ۱۳۲۷ھ

۶۵۔ ''مختصر اردو لغت''، ایڈیشن ۱۹۸۷ء

۶۶۔ ''چودھویں جلد''، ایڈیشن ۱۹۹۳ء

۶۷۔ "علم القرآن"، محولہ بالا

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ حالی، الطاف حسین، محولہ بالا، ص ۱۷۸

۷۰۔ شبلی نعمانی، محولہ بالا، ص ۸۲

۷۱۔ نیرنگ، میر غلام بھیک، محولہ بالا، ص ۱۳۶

۷۲۔ اقبال، محمد، علامہ، محولہ بالا، ص ۱۹۳

۷۳۔ ظفر علی خان، محولہ بالا، ص ۵۲

۷۴۔ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ: "کلیاتِ صوفی تبسم"، ص ۳۵۱

۷۵۔ "سیرت النبیؐ" (جلد اول)، ص ۳۰۵

۷۶۔ "الرحیق المختوم"، ص ۳۲۶

۷۷۔ ساتویں جلد، اشاعتِ نو، ایڈیشن، ۱۹۷۸ء

۷۸۔ نویں جلد، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۵۶ء

۷۹۔ انیسویں جلد، انٹرنیشنل ایڈیشن، ۱۹۹۰ء

۸۰۔ نیر، طاہرہ، ڈاکٹر: "اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار"، ص ۱۶

۸۱۔ ایضاً، ص ۲۱

۸۲۔ ایضاً

۸۳۔ ظلالی، کریم بخش، پروفیسر: "قوم پرستی یا اسلام" مشمولہ: "جنگ"، ص ۶

۸۴۔ "مسئلۂ قومیت"، ص ۱۳۰۔۱۳۱

۸۵۔ قوم اور قومیت کے لیے مزید دیکھیے: اقبال محمد، علامہ: "جغرافیائی حدود اور مسلمان" مشمولہ: "مقالاتِ اقبال"، احمد، سید ریاض، ڈاکٹر: "مسلم قومیت ایک مطالعہ"

۸۶۔ اقبال، محمد، علامہ، محولہ بالا، ص ۲۳۱

۸۷۔ شبلی نعمانی، محولہ بالا، ص ۵۰

۸۸۔ حسرت موہانی: "کلیاتِ حسرت موہانی"، ص ۱۵۸

۸۹۔ ظفر علی خان، محولہ بالا، ص ۲۲۳

۹۰۔ اقبال، محمد، علامہ، محولہ بالا، ص ۲۹۵

۹۱۔ شبلی نعمانی، محولہ بالا، ص ۱۲

۹۲۔ حالی، الطاف حسین، محولہ بالا، ص ۷۸

۹۳۔ اقبال، محمد، علامہ، محولہ بالا، ص ۱۹۳

۹۴۔ شبلی نعمانی، محولہ بالا، ص ۲۹

۹۵۔ ظفر علی خان، محولہ بالا، ص ۱۱۸

۹۶۔ اقبال، محمد، علامہ، محولہ بالا، ص ۳۳۲

۹۷۔ اسد ملتانی: ''کلیاتِ اسد ملتانی''، ص ۱۴۱

۹۸۔ اقبال محمد، علامہ: محولہ بالا، ص ۳۱۹

۹۹۔ ظفر علی خان: محولہ بالا، ص ۳۶۹

۱۰۰۔ شورش کاشمیری: محولہ بالا، ص ۹۷۵

۱۰۱۔ اقبال محمد، علامہ: محولہ بالا، ص ۳۳۰

۱۰۲۔ ظفر علی خان: محولہ بالا، ص ۹۳

۱۰۳۔ اختر، صہبا: ''مشعل''، ص ۹۵

۱۰۴۔ ظفر علی خان: محولہ بالا، ص ۱۳۲

۱۰۵۔ اسد ملتانی: محولہ بالا، ص ۸۹

۱۰۶۔ شورش کاشمیری: محولہ بالا، ص ۴۷۹

۱۰۷۔ ظفر علی خان: محولہ بالا، ص ۳۸۷

۱۰۸۔ ماہی بنگلوری: ''خشتِ خوں''، ص ۸۷

۱۰۹۔ شورش کاشمیری: محولہ بالا، ص ۳۶۶

۱۱۰۔ شبلی نعمانی: محولہ بالا، ص ۲۹

۱۱۱۔ نیرنگ، میر غلام بھیک: محولہ بالا، ص ۱۹۷

۱۱۲۔ شورش کاشمیری: محولہ بالا، ص ۴۷۶

۱۱۳۔ اقبال محمد، علامہ: محولہ بالا، ص ۱۰۰

۱۱۴۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۱۱۵۔ شورش کاشمیری: محولہ بالا، ص ۵۱۱

۱۱۶۔ ''بہارستان''، ص ۱۹۳۔۱۹۴

۱۱۷۔ ''کلیاتِ شبلی''، ص ۲۹

۱۱۸۔ ''قومی شعور کے فروغ میں اردو کا کردار''، مشمولہ: ''ادب اور قومی شعور''، ص ۲۳۰

۱۱۹۔ حقی، شان الحق: ''نکتۂ راز''، ص ۳۰۸

۱۲۰۔ ابراہیم، درشہوار: ''اردو میں ملی شاعری''، مشمولہ: ''پشاور یونیورسٹی جرنل''، ص ۱۹

۱۲۱۔ عمر، عابدہ، ڈاکٹر: ''اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار''، ص ۵۶

۱۲۲۔ ابراہیم، درشہوار: محولہ بالا، ص ۴۰

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ ایضاً

۱۲۵۔ ''اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار''، ص ۶۳

۱۲۶۔ میر محمد تقی (مؤلف): ''نکات الشعرا''، مرتب: مولوی عبدالحق، ص ۴۰

۱۲۷۔ ''اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر''، ص ۱۳۱

۱۲۸۔ ''تحریک آزادی میں اردو کا حصہ''، ص ۴۴

۱۲۹۔ بحوالہ بالا، ص ۳۰

۱۳۰۔ ''مقالات شیرانی'' (جلد دوم)، ص ۱۳۳

۱۳۱۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر: ''جرأت، ان کا عہد اور عشقیہ شاعری''، ص ۴۱

۱۳۲۔ مرزا محمد سخاوت (مرتب): ''مثنوی من لگن'' از قاضی محمود بحری، ص ۲۷

۱۳۳۔ ''مثنوی من لگن''، ص ۱۹۔۲۰

۱۳۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، مقدمہ: ''دیوان نصرتی''، ص ۱

۱۳۵۔ نصرتی، ملا: ''دیوان نصرتی''، ص ۲۷۔۳۲

۱۳۶۔ ایضاً، ص ۲۷۔۳۵

۱۳۷۔ جعفر، سیدہ، ڈاکٹر، مقدمہ: ''کلیات محمد قلی قطب شاہ''، ص ۱۴۰

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ ایضاً، ص ۱۴۶۔۱۴۷

۱۴۰۔ بحوالہ: کشفی، سید محمد ابوالخیر، ڈاکٹر: ''اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر''، ص ۱۰۰

۱۴۱۔ مرتب، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ص ۳۱۱

۱۴۲۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، مقدمہ: ''فتح نامہ نظام شاہ''، ص ۵۔۱۲

۱۴۳۔ مرتب، ڈاکٹر جمیل جالبی

۱۴۴۔ ''اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر''، ص ۱۴۴

۱۴۵۔ مقدمہ، بحوالہ بالا، ص ۴

۱۴۶۔ ص ۹۵۔۱۱۶

فہرست اسناد محولہ

ابراہیم، درشہوار، ۸۱۔۱۹۸۲ء، ''اردو میں ملی شاعری''، مشمولہ: ''پشاور یونیورسٹی جرنل'' (۳)، پشاور

ابن کثیر، علامہ، س ن: ''تفسیر ابن کثیر''، مترجم علامہ محمد جونا گڑھی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

ابن ہشام، س ن: ''سیرت ابن ہشام'' (جلد اول)، ترجمہ و تہذیب مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

اختر، صہبا، ۱۹۹۵ء، ''مشعل''، دانش کدہ، کراچی

اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء۔۲۰۱۰ء، ''اردو لغت'' (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۔۲۲، کراچی

اسد ملتانی، ۲۰۰۳ء، ''کلیات اسد ملتانی''، مرتب: سید شوکت علی بخاری، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اصفہانی، امام راغب، ۱۹۶۳ء، ''مفردات القرآن''، مترجم محمد عبدہ الفلاح فیروز پوری، مکتبہ قاسمیہ، لاہور

اصلاحی، امین احسن، ۲۰۰۴ء، ''تدبر القرآن''، انجمن خدام القرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

اعوان، ارشاد شاکر، ڈاکٹر، ۲۰۰۳ء، ''دو قومی نظریہ (تعارف و تاریخ)''، اردو سائنس بورڈ، لاہور، بار اول

اقبال، محمد، علامہ، ۲۰۰۷ء، ''کلیات اقبال''، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بار ہشتم

ایابی بنگلوری، ۱۹۵۶ء، "مصحفِ نور"، انجمن ترقی اردو، میسور، بنگلور

انسائیکلوپیڈیا امریکانا، انٹرنیشنل ایڈیشن (The Encyclopedia Americana, International Edition)، ۱۹۸۰ء، اکیسویں جلد، امریکا

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religions and Ethics)، ۱۹۵۱ء، اکیسویں جلد، ٹی اینڈ ٹی کلارک، ایڈنبرگ، چوتھا ایڈیشن

انطون، الیاس (مرتب)، ۱۹۷۶ء، "القاموس المدرسی"، دارالاشاعت، کراچی

اوکسفرڈ یونیورسٹی، ۱۹۷۸ء، "دی اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری" (The Oxford English Dictionary)، ساتویں جلد، اوکسفرڈ

بحری، قاضی محمود، ۱۹۵۵ء، "مثنوی من لگن"، مرتب محمد حفاظت مرزا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی

بعلبکی (البعلبکی)، روحی، ڈاکٹر (مرتب)، ۲۰۰۶ء، "المورد القریب"، دارالعلم للملایین، بیروت، اٹھارہواں ایڈیشن

بنگلوری، ایابی، دیکھیے: ایابی بنگلوری

پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء، "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند" (نویں جلد)، لاہور، بار اول

ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۷ء، "مختصر اردو لغت"، نئی دہلی

جالبی، جمیل، ڈاکٹر، ۱۹۷۰ء، مقدمہ "فتح نامہ نظام شاہ"، از حسن شوقی، مشمولہ: سہ ماہی "اردو" (کراچی)، شمارہ ۳-۴

______ (مرتب)، ۱۹۷۲ء، "دیوانِ نصرتی"، از ملا نصرتی، قوسین، لاہور، بار اول

______ (مرتب)، ۱۹۹۲ء، "قومی انگریزی اردو لغت"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، بار اول

جعفر، سیدہ، ڈاکٹر (مرتب)، ۱۹۸۵ء، مقدمہ "کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ"، از محمد قلی قطب شاہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، بار اول

حالی، الطاف حسین، ۱۹۷۰ء، "کلیاتِ نظمِ حالی" (جلد دوم)، مرتب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، بار اول

حسرت موہانی، ۱۹۷۶ء، "کلیاتِ حسرت موہانی"، مکتبۂ معین الادب، لاہور، بار اول

حسن، ممتاز، ۱۹۸۱ء، "اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے"، مشمولہ: ماہنامہ "ہمایوں" (لاہور)، شمارہ اکتوبر

حقی، شان الحق، ۱۹۷۲ء، "نکتۂ راز"، ملت پریس، کراچی

خان، ظفر علی، دیکھیے: ظفر علی خان

دارالاشاعت، ۱۹۷۵ء، "المنجد" (عربی۔اردو)، اضافہ شدہ جدید ایڈیشن، کراچی

دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء، "اردو دائرہ معارف اسلامیہ"، جلد سوم (طبع ثانی)، دانش گاہ پنجاب، لاہور

دہلوی، سید احمد (مرتب)، ۲۰۰۳ء، "فرہنگِ آصفیہ"، اردو سائنس بورڈ، لاہور، بار چہارم

راغب اصفہانی، امام، دیکھیے: اصفہانی، امام راغب

رحمان کیانی، ۱۹۸۱ء، "حرفِ سپاس"، ایوانِ اردو، کراچی، بار دوم

سجاد میرٹھی، قاضی زین العابدین (مرتب)، ۱۴۲۸ھ، "بیان اللسان" (عربی۔اردو)، کراچی

سرہندی، وارث (مرتب)، س ن، "علمی اردو لغت"، لاہور

شبلی نعمانی، ۱۹۷۵ء، "سیرۃ النبیؐ" (جلد اول)، دینی کتب خانہ، لاہور، بار چہارم

______، ۱۹۸۹ء، "کلیاتِ شبلی"، مرتب سید سلیمان ندوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، بار اول

شورش کاشمیری، ۱۹۹۲ء، "کلیاتِ شورش کاشمیری"، مکتبۂ چٹان، لاہور، بار اول

شیرانی، حافظ محمود، ۱۹۶۶ء، "مقالاتِ شیرانی" (جلد دوم)، مرتب مظہر محمود شیرانی، مجلس ترقی ادب، لاہور، بار اول

صبا، سید محمد یحییٰ، ڈاکٹر، ۲۰۱۰ء، "قومی شعور کے فروغ میں اردو کا کردار"، مشمولہ: ادب اور قومی شعور (اردو زبان کے حوالے سے)، مرتبین: ڈاکٹر محمد یوسف خشک، ڈاکٹر صوفیہ خشک، شعبۂ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور، سندھ

صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر، ۱۹۵۴ء، "جرأت، ان کا عہد اور عشقیہ شاعری"، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، بار اول

ظفر علی خان، س ن، "بہارستان"، مکتبۂ کارواں، لاہور

عبدالحق، مولوی (مرتب)، ۱۹۸۱ء، "دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" (The Standard English Urdu Dictionary)، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، بار سوم

عقیل، معین الدین، ۲۰۰۸ء، "تحریکِ آزادی میں اردو کا حصہ"، مجلس ترقی ادب، لاہور، بار اول

فضل الرحمن، سید، ڈاکٹر (مرتب)، ۲۰۰۷ء، "معجم القرآن" (عربی۔اردو)، کراچی، بار دوم

قادری، سراج احمد، ۲۰۰۲ء، "تفسیرِ روح البیان کا مرتبہ" (تاریخی و تجزیاتی مطالعہ)، دہلی

کاشمیری، شورش، دیکھیے: شورش کاشمیری

کشفی، سید محمد ابوالخیر، ڈاکٹر، ۱۹۷۵ء، "اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر"، ادبی پبلشرز، کراچی

کیانی، رستان، دیکھیے: رستان کیانی

کیرانوی، وحید الزماں قاسمی، مولانا، ۲۰۰۱ء، "القاموس الوحید"، ادارۂ اسلامیات، لاہور

مبارک پوری، صفی الرحمان، مولانا، ۱۹۹۱ء، "الرحیق المختوم" (اردو)، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، بار سوم

محمود، سید قاسم (مرتب)، ۱۹۹۰ء، "علم القرآن"، الفیصل، لاہور

مرزا محمد سجاوت (مرتب)، ۱۹۵۵ء، "مثنوی من لگن"، از قاضی محمود بحری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی

مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۶ء، "جامع انگریزی اردو لغت"، لاہور، بار اول

ملتانی، اسد، دیکھیے: اسد ملتانی

مودودی، ابوالاعلیٰ، ۱۹۸۰ء، "مسئلۂ قومیت"، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، بار دوم

موہانی، حسرت، دیکھیے: حسرت موہانی

میرٹھی، قاضی زین العابدین سجاد، دیکھیے: سجاد میرٹھی، قاضی زین العابدین

میر، محمد تقی، ۱۹۷۹ء، "نکات الشعراء"، مرتب: مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، بار دوم

نظامانی، کریم بخش، بریگیڈیئر، ۱۹۹۰ء، "قوم پرستی یا اسلام"، مشمولہ: "جنگ" (روزنامہ)، کراچی، اشاعت ۵ جون

نعمانی، عبدالرشید، ۱۹۹۳ء، "لغات القرآن"، دارالاشاعت، کراچی

نعمانی، شبلی، دیکھیے: شبلی نعمانی

نیرنگ، میر غلام بھیک، ۱۹۸۳ء، "کلامِ نیرنگ"، مرتب: ڈاکٹر معین الدین عقیل، مکتبۂ اسلوب، کراچی، بار سوم

نیر، حامد، ڈاکٹر، ۱۹۹۹ء، "اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار"، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، بار اول

نیر، نورالحسن، مولوی (مرتب)، ۱۳۲۷ھ، "نوراللغات" (جلد سوم)، نیر پریس، لکھنؤ

فصاحت و بلاغت نبوی ﷺ

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

Abstract

Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) is the finest example of a perfect man in every sense of the term. The Almighty distinguished him from all and sundry by instilling in his sublime personality such fine qualities as modesty, truthfulness, kindness, patience, loyalty, honesty, courage, bravery, generosity, magnanimity, wisdom and the like. Holy Quran says: "Whatever the Prophet prescribes get that in action. From whatever he prohibits you desist from the same." [Al-Hashr:7]

One of the most important qualities of Holy Prophet (peace be upon him) that, He was most eloquent. Prophet (peace be upon him) Himself declared: "Afsahul Arab". After the Book of Allah in the history of Arabic eloquence and a speaker that was not be compatible with your eloquence. The Holy Prophet's eloquence is the eloquence of high and unique place.

In the present article, writer had discussed some characteristics of the sayings of the Prophet (peace be upon him) and throw light on some of the sayings of the Holy

Prophet (peace be upon him).

فصاحت وبلاغت حسن کلام کا بنیادی وصف ہے۔ ایسا کلام جو اپنے مقصود و مدعا کے لحاظ سے بالکل عیاں اور مقتضائے حال کے مطابق ہو، نہ کہیں سے کوئی جھول ہو اور نہ کوئی گوشہ مخفی و مستور ہو کہ یہ کہا جا سکے المعنی فی بطن الشاعر۔ تلا تلا اور حشو و زوائد سے پاک ہو، فصیح و بلیغ کہلاتا ہے۔ زبان و ادب کے ماہرین کے نزدیک جن الفاظ، جن اشعار اور جن انشا پردازانہ فقروں کے سمجھنے میں سننے والے کی کم سے کم دماغی قوت اور اس کا کم سے کم وقت صرف ہوتا ہے وہ زیادہ فصیح و بلیغ ہوتے ہیں۔ (۱)

سرور دو عالم ﷺ جس عہد اور جس قوم میں مبعوث ہوئے، اس کا امتیاز ہی نظم و نثر میں فصاحت و بلاغت تھی۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ نبی کریم ﷺ کو فصاحت و بلاغت کے تمام خصائص و لوازمات اور مظاہر پوری جامعیت و کمال کے ساتھ عطا کیے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جو غیر فانی معجزہ عطا ہوا یعنی قرآن مجید وہ بھی فصاحت و بلاغت کا لافانی شاہکار ہے۔ جس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خود آپ ﷺ کا تعلق قریش کے قبیلے بنو عبد مناف سے تھا جو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کی پرورش بنو سعد میں ہوئی تھی جو اپنی فصاحت و بلاغت کے لیے معروف تھا۔ آپ ہی کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

وما ینطق عن الھویٰ . ان ھو الا وحی یوحیٰ . (۲)

یعنی آپ ﷺ کی کوئی بات اپنی مرضی سے نہیں ہوتی، بلکہ تابع الہام ہوتی ہے۔

اور اسی لیے فرمایا گیا:

ما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھو . (۳)

رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم کا معجزہ عطا کیا، ارشاد نبوی ہے:

بعثت بجوامع الکلم . (۴)

میں جامع باتیں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت میں آپ ﷺ کا درجہ بہت بلند تھا، اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ میں سلاست و جودت طبع، انوکھا انداز اور ایجاز بھی تھا، الفاظ کی فصاحت اور معانی کی صحت میں بھی آپ ﷺ حد کمال پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں تکلف اور لفظوں میں تنافر نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کو جوامع الکلم اور بدائع حکم عطا کیے گئے، آپ ﷺ عرب کی مختلف زبانوں سے واقف تھے۔ اور ہر قوم و قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو فرماتے اور سب سے ممتاز و فائق رہتے۔ (۵)

مصری ادیب و عالم مصطفیٰ صادق الرافعی، رسول اللہ ﷺ کی بلاغت کے پانچ امتیازی خصائص بیان کرتے ہیں: ' ایک تو

یہ کہ کتاب اللہ کے بعد عربی فصاحت وبلاغت کی تاریخ میں کوئی ایسا خطیب نہیں ہوا جو آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت کا ہم پلہ ہو سکے یعنی قرآنی بلاغت کے بعد بلاغت نبوی کا ایک اعلیٰ ومنفرد مقام ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کلام نبوت میں ایسی تراکیب ہیں جو قلت الفاظ کے ساتھ ساتھ کثرت معنی کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ گویا کوزے میں دریا بند ہے۔ چند الفاظ ہیں جن میں خطابت کے وسیع سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تیسری خصوصیت کو بلاغت کی اصطلاح میں خلوص سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی کسی قسم کا ابہام، غموض یا مغالطہ باقی نہیں رہتا۔ الفاظ ومعنی میں ایسی پختگی اور وضاحت ہے کہ سامع کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ چوتھی خصوصیت ہے قصد واعتدال یعنی الفاظ ومعنی میں ایجاز واختصار اور ایسا توازن پایا جاتا ہے جسے اقتصاد لفظی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کلام نبوت کی پانچویں امتیازی خصوصیت ہے استیفا یعنی سامع کے دل میں کوئی تشنگی یا طلب مزید کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ الفاظ ومعنی اس کی تسلی کر دیتے ہیں۔(۶)

وہ جس کے "نطق" سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیم گرہ کشا کی طرح

آپ ﷺ کے حسن تکلم کی تاثیرات سے سامعین کے دلوں کی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے فصیح وبلیغ ارشادات عالیہ نے فصحاء عرب کو حیران کر دیا۔ آپ ﷺ ایسی دلآویز گفتگو فرماتے تھے کہ سننے والے کے دل وروح اسیر ہو جاتے تھے۔ سلسلہ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا جس میں الفاظ ومعنا کوئی خلل نہ ہوتا۔ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو انہیں شمار کر سکتا تھا۔(۷)

آپ ﷺ کے خطبوں کے اثرات کا یہ عالم ہوتا تھا کہ بعض مرتبہ سخت سے سخت اشتعال انگیز موقعوں پر آپ کے چند جملے محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، ایک دن آپ نے ایسا اثر انگیز اور ولولہ خیز خطبہ پڑھا کہ میں نے کبھی ایسا خطبہ نہیں سنا تھا۔ درمیان خطبہ میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ زبان مبارک سے اس جملہ کا نکلنا تھا کہ سامعین کا یہ حال ہوگیا کہ لوگ کپڑوں میں منہ چھپا چھپا کر زار وقطار رونے لگے۔(۸)

مصری شاعر احمد شوقی خطابت نبوی کے اثر انگیز اسلوب کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

واذا خطبت فللمنابر هزة
تعرو الندي وللقلوب بكاء

جب آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو منبر بھی جھوم اٹھتے تھے، محفل پر لرزہ طاری ہو جاتا اور دل رونے لگتا۔(۹)

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

"ابلاغ وتبلیغ آپ کے مشن ومنصب کا دوسرا نام تھا۔ اس لیے فصیح وبلیغ ہونا بھی آپ ﷺ کے منصب کا

حصہ ٹھہرا۔ اور اسی لیے بلاغت آپ ﷺ کے کلام کی نمایاں خصوصیت تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ بار بار دہراتے چلے گئے الا ھل بلغت کیا میں نے پیغام حق واضح طور پر پہنچا دیا ہے''(۱۰)

اس مختصر مضمون میں کلام نبوی ﷺ کی چند کرنیں اہل ذوق کے لیے پیش خدمت ہیں:

دنیا سرائے فانی ہے لیکن ہر شخص دنیا کے حصول کے لیے دیوانہ ہے، حرص و ہوس نے دنیا ہی کو مقصود و مطلوب قرار دے دیا ہے۔ انسان اس دھوکے میں ہے کہ اسے یہیں رہنا ہے جبکہ نہ یہاں کوئی ہمیشہ رہا ہے نہ رہے گا۔ اس کی حیثیت تو محض ایک مسافر کی سی ہے۔ اسی حقیقت کو آپ ﷺ نے کس جامع موثر اور بلیغ انداز میں یوں بیان کیا ہے:

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل. (۱۱)

دنیا میں مسافر بلکہ راہ گیر کی مانند رہو۔

اس ایک جملے میں دنیا کی حقیقت وحیثیت کو جس طرح واشگاف انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بالکل واضح ہے۔

فصاحت کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ مانوس الفاظ کا استعمال کیا جائے، اس لیے کہ الفاظ جس قدر مانوس اور کثیر الاستعمال ہوں گے، اسی قدر وہ موثر ہوں گے اور ان کے معانی کو سمجھنا آسان ہوگا۔(۱۲) اس حوالے سے دیکھا جائے تو اہل عرب میں قسم کے الفاظ کا استعمال بہت عام ہے، اس کا مقصد اپنی بات کو موکد کرنا اور اس میں جاذبیت اور زور و اثر پیدا کرنا ہوتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی جس کا تعلق ایک معزز اور برتر خاندان سے تھا، لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کو جو آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے سفارش کیلئے بھیجا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کی سفارش کو مسترد کرتے ہوئے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو فاطمۃ فعلت ذلک لقطعت یدھا. (۱۳)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (میری بیٹی) فاطمہ بھی اس حرکت کی مرتکب ہوگی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لوں گا۔

یہاں قسم کی تعبیر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذکر نے کلام میں بلاغت کی روح پھونک دی ہے اور وہ اتنا موثر، زوردار اور دل کو چھونے والا ہو گیا ہے کہ کئی صفحے بھی لکھے جائیں تو نہ یہ زور پیدا ہوگا اور نہ کلام میں بلاغت کی روح اور حسن بیان کی یہ کیفیت پیدا ہوگی۔(۱۴)

کبھی کبھی آپ ﷺ نے قسم کے اسلوب میں مزید زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے اسے مکرر استعمال کیا:

واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل ومن یارسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ. (۱۵)

خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، دریافت
کیا گیا کون یا رسول اللہ! فرمایا جس کا پڑوسی اس کی اذیتوں سے محفوظ نہ ہو۔

اس سے بڑھ کر پڑوسی کے حقوق کا بلیغ، جامع اور موثر انداز کیا ہو سکتا ہے! رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی پڑوسی کی جان، مال، عزت و آبرو کا ضامن ہے اور پڑوسی کے لیے ایک زبردست تنبیہ کہ پڑوسی کو اذیت دینا گویا ایمان کو داؤ پہ لگانا ہے۔

لایومن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ او قال لجارہ ما یحب لنفسہ. (۱۶)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی یا پڑوسی کے لیے ایسی چیز پسند نہ کرے جس کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

اپنی پسندیدہ چیز کو اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا خصال ایمان سے ہے بلکہ ایمان کے واجبات سے ہے کیونکہ ایمان کی نفی اسی وقت کی جاتی ہے، جب اس کے بعض واجبات کو ترک کر دیا جائے۔ کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے اپنی پسندیدہ چیزوں کو اسی وقت پسند کرے گا، جب وہ حسد، کینہ، بغض اور دھوکا دہی سے پاک ہو۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کیا حق ہے، اس کی جیسی ترجمانی سرور دوعالم ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی میں فرمائی ہے، آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار ہے۔ دفتر کے دفتر اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں جو ایک جملے میں آپ نے ارشاد فرما دیا۔

اصلاح معاشرہ، باہمی تعلقات اور ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق اور عزت و احترام کے حوالے سے کلام نبوت کی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ صحاح ستہ (علاوہ نسائی) کی درج ذیل حدیث مبارکہ سے بھی کیا جا سکتا ہے:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولاتحسسوا ولاتجسسوا ولاتناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولاتدابروا وکونوا عباداللّٰہ اخوانا کما امرکم اللہ تعالی. المسلم اخوا المسلم لایظلمہ ولایخذلہ ولایحقر بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام مالہ ودمہ وعرضہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واجسادکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم. التقویٰ ھھنا ویشیر الی صدرہ. الا لا یبیع بعضکم علیٰ بعض وکونوا عباداللہ اخوانا ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث.

"خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا، بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا، باہمی حسد نہ کرنا، باہمی بغض نہ رکھنا، کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا، اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔ مسلم، مسلم کا بھائی ہے، بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے، نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے۔ انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے۔ مسلم کا مال، خون، عزت دوسرے مسلم پر

بالکل حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمھارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے۔ خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ اللہ کے بندوں! بھائی بھائی بنو۔ مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔(۱۷)

قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں حدیث ذیل بہ روایت امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ بیان کی ہے۔ اس سے نبی کریم ﷺ کے محاسن اخلاق و مکارم عادات اور کلام نبوت کی جامعیت و فصاحت و بلاغت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عن علی قال سالت رسول الله ﷺ عن سنته فقال المعرفة راس مالی و العقل اصل دینی و الحب اساسی و الشوق مرکبی و ذکر الله انیسی و الثقة کنزی و الحزن رفیقی و العلم سلاحی و الصبر ردائی و الرضا غنیمتی و العجز فخری و الزهد حرفتی و الیقین قوتی و الصدق شفیعی و الطاعة حسبی و الجهاد خلقی و قرة عینی فی الصلوٰة.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا: معرفت میرا راس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میری غنیمت ہے، عجز میرا فخر ہے، زہد میرا حرفہ ہے، یقین میری خوراک ہے، صدق میرا ساتھی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔(۱۸)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کا ایک ایک جملہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار، پر معنی، اور گنجینۂ ہدایت ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته. (۱۹)

تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اس ایک مختصر، عام فہم اور سادہ جملے میں آپ ﷺ نے ہر شخص کی ذمہ داری کا تعین کر دیا۔ حاکم و محکوم، استاد و شاگرد، والدین و اولاد، بھائی بہن، پڑوسی، رشتے دار، دوست احباب۔ غرض یہ کہ ہر شخص کو اس کے فرائض اور ادائیگی حقوق کی جانب متوجہ کر دیا۔ ذمہ داریوں کے تعین کے باب میں کیا اس سے بڑھ کر بھی فصیح و بلیغ اسلوب ہو سکتا ہے!

انصر اخاک ظالما او مظلوما (۲۰)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد تو ہم کریں گے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں فرمایا کہ اسے ظلم سے

روک دو۔ مظلوم کی مدد اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے اور اصلاح معاشرہ کا کیا فصیح و بلیغ انداز ہے کہ ظالم و مظلوم دونوں ہی کی مدد کا حکم دیا گیا ہے مظلوم کو ظالم کے ظلم سے نجات دلانے کی صورت میں اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی صورت میں۔ ظالم کو ظلم سے روکنا ہی اس کے حق میں بھلائی اور اس کی مدد ہے، اسی میں اس کی اخروی نجات ہے۔

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانوی (۲۱)

اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

اخلاص نیت و اخلاص عمل کے باب میں یہ حدیث مبارکہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے صحیح بخاری میں سب سے پہلے نقل کیا ہے۔ انسان کے ہر عمل کا دارومدار، اس کا وزن و اعتبار، در حقیقت اس کی نیت پر موقوف ہوتا ہے۔ یعنی اگر اس عمل سے اس کا قصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو اس کی سب سے زیادہ فضیلت ہے اور اگر اس عمل سے اس کا مقصود جنت کا حصول ہے تو اس میں بھی فضیلت ہے اور اگر اس عمل سے مقصود دنیا کا حصول ہے تو اگر دنیا کی وہ چیز مباح ہے تو وہ کام مباح ہے اور اگر وہ چیز ناجائز ہے تو وہ کام ناجائز ہے۔ (۲۲)

اسی طرح اس ارشاد مبارک پر غور کیجیے:

الید العلیا خیر من السفلیٰ (۲۳)

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

یہ ارشاد مبارک ہماری زکوٰۃ، صدقات، انفاق فی سبیل اللہ، تجارت، معیشت، معاشرت ہر شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کرتا ہے۔ گداگری اور سوال کرنے سے روکتا ہے۔ معیشت کے استحکام، مملکت کی ترقی کے لیے بھی بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ عزت و وقار عطا کرتا ہے۔ اقوام عالم میں اگر سر اٹھا کر جینا ہے، اپنی آزادی اور خودمختاری کو قائم رکھنا ہے، تو اس ارشاد نبوی کو حرز جاں بنانا ہوگا۔

فان من جودک الدنیا و ضرتها و من علومک علم اللوح و القلم.

کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے اور لوح و قلم آپ کے علوم میں سے ہے۔

و ائذن لسحب صلوٰة منک دائمة علی النبی بمنهل و منسجم.

اور درود و سلام کے ابروں کو اجازت دے کہ ہمیشہ کمال کثرت سے برسیں نبی ﷺ پر صلوٰۃ علیہ و آلہ۔

حوالہ جات

ا۔ عبدالسلام ندوی، ”تاریخ البلاغت“، مشمولہ: ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۵۱ء، ص ۴۳۶

۲۔ سورۃ النجم، آیت: ۳۔۴

۳۔ سورۃ الحشر، آیت: ۷
۴۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، حدیث رقم: ۴۱۲۰
۵۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، مترجم: مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ۲۰۰۲، لاہور: مکتبۂ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۸۱
۶۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، فصاحت نبوی، ص ۳۹۱، مشمولہ: نقوش رسول نمبر (۸)، جنوری ۱۹۸۴ء، لاہور: ادارہ فروغ اردو
۷۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، جون ۲۰۰۶، لاہور: مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ج ۳، ص ۴۲۸، بحوالہ: زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۷
۸۔ بخاری جلد ۲ تفسیر سورہ مائدہ، حدیث رقم: ۱۷۴۹
۹۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، فصاحت نبوی، ص ۳۵۹
۱۰۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، فصاحت نبوی، ص ۳۶۲، بحوالہ: عبقریۃ محمد، ص ۱۰۸
۱۱۔ صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب الرقاق، حدیث رقم: ۱۳۳۰
۱۲۔ عبدالسلام ندوی: "تاریخ البلاغت"، ص ۴۳
۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، جلد ۲، حدیث رقم: ۱۶۹۳
۱۴۔ ضیاء الدین اصلاحی: "رسول اکرم ﷺ کی فصاحت و بلاغت" مشمولہ: ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جولائی ۹۴، ص ۹
۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الوصایۃ بالجار، حدیث رقم ۹۵۶
۱۶۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث رقم: ۷۸
۱۷۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۳، ص ۱۱۵
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴
۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعہ، حدیث رقم: ۸۴۸
۲۰۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، حدیث رقم: ۶۲۵۸
۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوحی، حدیث رقم: ۱
۲۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی، نعمۃ الباری فی شرح صحیح بخاری، ۲۰۰۷، لاہور: فرید بک سٹال، جلد ۱، ص ۱۱۹
۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، حدیث رقم: ۱۳۸۹

ماہنامہ معارف کی ادبی خدمات

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

علامہ شبلی کے پیش نظر جو علمی و ادبی منصوبے تھے ان میں ایک ماہانہ رسالہ معارف کا اجرا بھی تھا۔ اس کا وہ ایک خاکہ بھی تیار کر چکے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اسے شائع نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے تقریباً ۲ سال بعد ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے جولائی ۱۹۱۶ء میں دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ سے ماہنامہ معارف جاری کیا۔ اس وقت سے اب تک معارف مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ ۱۸۹ جلدوں اور ۱۱۹۹ شماروں پر مشتمل ماہنامہ معارف کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم و ادب اور ارباب کمال نے اس کی علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی اہمیت کا ہر دور میں اعتراف کیا۔ علامہ اقبال نے لکھا کہ یہی تو ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ یہی تو ایک پرچہ ہے باقی ہر طرف سناٹا ہے۔

علامہ شبلی نے معارف کے متعدد مقاصد میں ایک بنیادی مقصد شعر و ادب اور تحقیق و تنقید کی خدمت قرار دیا تھا۔ چنانچہ اس کے آغاز ہی سے اس کے مدیروں نے ادبی و تنقیدی نگارشات کو اہمیت دی۔ خوش قسمتی سے اس کے تمام مدیر اہل ذوق اور شعر و ادب کے نکتہ شناس تھے اس لئے دوسرے علوم و افکار کے ساتھ شعر و ادب کو فوقیت دیتے رہے۔ تقریباً ایک صدی پر محیط ماہنامہ معارف کی ادبی خدمات کو اگر موضوع کے لحاظ سے مرتب کیا جائے تو ادب کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر پچاسوں کتابیں معرض وجود میں آ سکتی ہیں اور ان کی حیثیت کسی درجہ کم نہ ہوگی۔

جولائی ۱۹۱۶ء سے اب تک معارف کے صفحات میں اردو کے مشاہیر شعراء کی اہم شعری تخلیقات نظمیں، غزلیں، قطعات وغیرہ شائع ہو کر نہ صرف ان کی شہرت و عظمت میں اضافے کا باعث ہیں بلکہ اہل ذوق کو شاد کام بھی کیا۔ ان میں علامہ اقبال، اکبر الہ آبادی، اقبال سہیل، عبدالسلام شمیم، مرزا احسان احمد، سجاد انصاری، جگر، اصغر، فانی، فراق، حسرت، یحییٰ اعظمی، نشور واحدی، روش صدیقی، چندر پرکاش جوہر بجنوری اور جگن ناتھ آزاد وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جگن ناتھ آزاد کی مشہور نظم "بھارت کے مسلماں" کے جواب میں اسد ملتانی نے جو معرکہ آرا نظم بطور شکریہ لکھی تھی وہ معارف ہی کے ذریعہ منصۂ شہود پر آئی۔

شعری ادب کے مقابلہ میں معارف نے نثری ادب کی زیادہ خدمت انجام دی۔ اردو کے نامور ترین ادیبوں اور نقادوں کی تحریروں کا ایک بڑا سرمایہ معارف کے صفحات میں محفوظ ہے۔ حالی و شبلی، ڈپٹی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ کے علاوہ سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، عبدالماجد دریابادی، سید عبداللہ، سید عبداللہ، نصیر الدین ہاشمی، شاہ معین الدین احمد ندوی، سید صباح الدین،

عبدالرحمن، اثر لکھنوی، ابواللیث صدیقی اور متعدد دوسرے اہل قلم کی ادبی و تنقیدی کاوشوں کی اشاعت کا سہرا بھی معارف ہی کے سر ہے۔ اسی طرح تحقیق و تنقید کے میدان میں اردو کے نامور محققین مثلاً قاضی عبدالودود اور امتیاز علی عرشی وغیرہ نے معارف کے صفحات میں داد تحقیق دی، جس سے نہ صرف ان کی عظمت کا اعتراف ہوا بلکہ اردو کے تحقیقی ادب میں بھی گراں بہا اضافہ ہوا۔

لسانیات کو اب ایک مستقل اور اہم موضوع کی حیثیت حاصل ہے لیکن تقریباً ایک صدی قبل اسے وہ حیثیت حاصل نہیں تھی جو آج ہے۔ اس لحاظ سے معارف اور معارف کے اہل قلم انتہائی قابل ستائش ہیں کہ ایک صدی قبل لسانیات کے مختلف گوشوں مثلاً رسم خط کی اجمالی تاریخ، ہندوستان کی مختلف زبانیں، اردو املا، یورپی الفاظ و اعلام کا اردو املا، لسانی مسائل، پرانے لفظوں کی نئی تحقیق، سرگذشت الفاظ وغیرہ موضوعات پر گراں قدر مقالے معارف میں شائع ہوئے جن کی بدولت لسانیات کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ و تحقیق کا آغاز ہوا۔ ان تحریروں کو اگر یکجا کر دیا جائے تو نہ صرف لسانیات میں معتدبہ اضافہ ہوگا بلکہ بعض نئی بحثوں کو از سر نو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

اردو کی ہمہ گیری کے ذکر کے ساتھ دیگر زبانوں کے اثرات مثلاً اردو پر پنجابی، سندھی، افغانی، پرتگالی، ترکی وغیرہ کے اثرات کی نشاندہی پر مشتمل مضامین و مقالات بھی معارف میں شائع ہوئے اور جن کو معارف کے علاوہ دوسرے معاصر ادبی رسائل میں معارف کے بعد جگہ ملی۔ اس نوعیت سے بھی معارف نے اردو کی بڑی خدمت انجام دی۔

موضوع کے لحاظ سے اردو کے خزانے کا سرمایۂ ناز غالبیات و اقبالیات خیال کئے جاتے ہیں، معارف کے صفحات میں غالب، اقبال اور ابوالکلام آزاد کے فکر و فن اور ان کے لازوال کارناموں کے جائزے پر مشتمل ایک بڑا ادبی ذخیرہ محفوظ ہے، جس میں غالب و اقبال شناسی کیلئے اس سرمایہ کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

تذکرہ نگاری اور اردو شعراء کے قدیم تذکروں کی افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ معارف میں نہ صرف متعدد شعراء کے تذکرے شائع ہوئے بلکہ قدیم تذکروں کی اہمیت اور افادیت پر تنقیدی مضامین بھی لکھے گئے، جس سے نہ صرف اردو کی وسعت و ہمہ گیری میں اضافہ ہوا بلکہ تنقیدی، تحقیقی اور اسلوبیاتی مطالعے کو پروازملی چونکہ معارف کی اشاعت کی مدت طویل ہے۔ اس لئے یہ خدمت بھی معارف نے معاصر ادبی رسائل کے مقابلے میں زیادہ انجام دی۔

اردو کے پچاسوں شعراء کے حالات، شاعری اور فکر و فن کے علاوہ وفیات کے ضمن میں سیکڑوں ادیبوں، شاعروں اور نقادوں اور علماء کی وفات پر ماتمی تحریروں میں ان کی شخصیت اور خدمات کو بھی اجاگر کیا گیا۔

معارف کا ایک کالم آثار علمیہ ہے۔ اس کے تحت اب تک اردو ادب کے اساطین کے نایاب خطوط اور نادر تحریروں کو شائع کر کے معارف نے ایک ایسا ادبی خزانہ اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اجراء سے لے کر اب تک معارف نے مختلف نشیب و فراز اور حالات کے سرد و گرم دیکھے۔ اردو زبان و ادب کے میدان میں افکار و نظریات کی یورش دیکھی۔ اردو کیلئے مختلف تحریکیں برپا ہوتی دیکھیں، مختلف تنظیمیں اور ادارے قائم ہوئے، متعدد افراد نے نجی اور ذاتی طور پر خدمت اردو کا بیڑا اٹھایا۔ ان تمام کوششوں اور کاوشوں کی آواز بازگشت معارف کے شذرات میں محفوظ ہے۔

دراصل معارف ہماری ادبی تاریخ کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔اس سے استفادہ کئے بغیر یقیناً ہماری ادبی تاریخ نامکمل تصور کی جائے گی۔

بیسویں صدی میں اردو کے سیکڑوں اخبارات اور رسائل وجرائد نکلے اور اپنے اپنے علاقوں اور حلقوں میں مقبول رہے۔ان کا ذکر بھی معارف میں محفوظ ہے۔معارف سے ان کی سنہ وار فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔تقریباً ایک ہزار اخبارات ورسائل کے نام، ان کے مدیروں کے نام، سنہ اشاعت اور مقام اشاعت وغیرہ کی تفصیلات معارف کے اوراق پر ثبت ہیں۔ یہ خود بجائے ایک بڑی ادبی خدمت ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے سچ لکھا ہے کہ ''آئندہ مورخ کا قلم جب ہندوستان کی علمی ودینی صحافت کی تاریخ لکھے گا تو اسے معارف کو چاروناچار ایک بلند وممتاز مرتبہ اور ایک سنگ میل کا امتیاز دینا ہوگا اور بتانا ہوگا کہ اس شمع نے کتنے اندھیرے گھروں میں اجالا پھیلایا اور پھر اس ایک چراغ سے کتنے چراغ اور جلائے گئے''

ماہنامہ معارف میں روز اول ہی سے مطبوعات جدیدہ پر تنقید وتبصرے کا اہتمام رہا ہے۔اب تک پانچ ہزار سے زیادہ علمی، ادبی، تنقیدی، تعلیمی اور تاریخی کتابوں پر نقد وتبصرہ لکھا جاچکا ہے۔انہیں تاریخ وار مرتب کیا جائے تو تصنیف وتالیف کی تاریخ سامنے آجائے اور اگر وضاحتی کتابیات مرتب کی جائے تو مجلدات تیار ہوجائیں۔ہماری ادبی تاریخ میں اس قدر وسیع ذخیرہ ادب کسی اور رسالے کے صفحات میں شاید ہی موجود ہو۔

معارف کا ایک ادبی امتیاز یہ بھی ہے کہ اس نے ابتدا ہی سے ایک خاص ادبی اسلوب واندازِ تحریر اختیار کیا جس پر وہ اب تک قائم ہے۔سیکڑوں اہل علم کی تحریریں معارف میں شائع ہوئیں، لیکن حسن انشا کی دلآویزی اور ادب وتحقیق کی رعنائی کا جوہر ہمیشہ قائم رہا،حتی کہ غیر ادبی موضوعات میں بھی اس دلکشی کا خیال رکھا گیا۔غرض اردو ادب کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس پر معارف کے اہل قلم نے قلم نہ اٹھایا ہو۔بلا شبہ معارف تاریخ ادب اردو میں ایک سنگ میل ہے،جس کی عظمت کا ہمیشہ اعتراف کیا جاتا رہے گا۔

تبصرہ کتب

ڈاکٹر شکیل اوج کی کتب اور تحقیقی مجلے التفسیر پر شائع ہونے والے تبصرات، مضامین بطور ادارے ریکارڈ پیش خدمت ہیں

نسائیات

تبصرہ نگار: محمد اعظم سعیدی

چیف ایڈیٹر سہ ماہی مجلہ ندوہ سار، کراچی

(اپریل تا جون، ۲۰۱۳ء)

نام کتاب: نسائیات (چند فکری ونظری مباحث)

مصنف: ڈاکٹر پروفیسر محمد شکیل اوج، رئیس کلیہ معارف اسلامیہ وڈائریکٹر سیرت چیئر، یونیورسٹی آف کراچی۔

سنِ اشاعت: جون 2012ء

صفحات: 306۔۔۔۔ قیمت: =/500 روپے

ناشر: کلیہ معارف اسلامیہ یونیورسٹی آف کراچی

تہذیب وثقافت کی ارتقائی یلغار اور کچھ ضروریات زندگی نے مسلم عورت کے لیے متعدد مسائل پیدا کر دیے ہیں، نیز ہمارے مسلم معاشرے میں مرد کی حاکمیت کے تصور نے عورت کو خاص طور پر عائلی زندگی میں باندی سے زیادہ اہمیت نہیں دی، ہمارے فقہاء وعلماء نے اگرچہ قرآن وسنت کی روشنی میں عورت کے حقوق متعین کیے ہیں اور وقت کے تقاضے کے مطابق مسائل کے حل بھی تجویز کیے ہیں، لیکن بعض مسائل میں دین کے نظریہ توسع اور قرآن کے اصول حذف وایجاز پر نظر عمیق ڈال لی جاتی تو عورت کی دور جدید کی الجھنیں دور ہو جاتیں، کیونکہ بعض مسائل ایسے ہیں کہ قرآن وسنت میں ان کو دو طرفہ بیان نہیں کیا گیا یعنی صرف ایک صورت بیان کی گئی ہے اور دوسری صورت کو مجتہد فیہ رکھا گیا ہے، لیکن باب اجتہاد کو سخت شرائط سے مقفل کر دیا گیا، اگر کسی نے اس باب کو کھولنے کی جرأت کی ہے تو اسے متجدد اور متفرد کے خطاب سے نوازا گیا، اس طرح مسائل کی غیر بیان کردہ دوسری صورت کو پہلی صورت پر محمول ومنطبق کر کے عورت کو جدید دور کے جدید مسائل کے گرداب میں الجھا ہوا چھوڑ دیا گیا۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ شکیل اوج صاحب قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنے اور قرآن سے قرآن فہمی میں وسیع درک وشہرت کے مالک ہیں، اسی نسبت سے ان کے باشعور قارئین ومعتقدین کا حلقہ روز افزوں ہے، ان کے قارئین اور اندرون وبیرون ملک ان کے لیکچرز کے سامعین بخوبی آگاہ ہیں کہ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے علمی فراوانی، قلم میں جولانی اور طلاقتِ لسانی جیسی نعمتوں سے خوب نوازا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے بھی بطور اظہار تشکر کلام الٰہی کو دل میں سمایا اور سینے سے لگایا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر مضمون ومقالہ قرآنی آیات سے مرصع ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ موصوف عصر حاضر میں پیش آمدہ جدید مسائل ومعاملات کو قرآن مجید کی روشنی میں ہی دیکھتے ہیں جیسے کہ دور جدید کا خوفناک مسئلہ "ایڈز" پر بھی قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہوئے مقالہ تحریر فرما کر

ارباب علم ودانش سے داد تحسین وصول کی۔

زیر تبصرہ کتاب "نسائیات" جو کہ خواتین سے متعلق تقریباً 20 اہم مسائل ومعاملات پر مشتمل ہے اور ہر مسئلے پر قرآنی آیات کی روشنی میں مفصل مقالہ تحریر کیا گیا ہے اگرچہ احادیث وفقہ سے بھی حسب ضرورت خوشہ چینی کی گئی ہے لیکن استدلال کا بنیادی اور مرکزی ماخذ قرآن مجید ہی ہے، ان میں سے چند ایک مقالات (1) کم سنی کی شادی، بچوں سے زیادتی (2) پسند کی شادی ایک سماجی ضرورت (3) تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل (4) زوج اور سوت (5) حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ میں فرق (6) خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار (7) باندیوں سے تمتع یا نکاح؟ (8) نصاب شہادت اور عورتوں کی گواہی کی حقیقت (9) مہر کے قرآنی مسائل وغیرہم ایسے ہیں جن سے اہل علم اختلاف کی مروجہ گنجائش کے باوجود بھی دین کے نظریہ توسع کے پیش نظر سکوت کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان مقالات میں بنیادی فکر قرآن سے ماخوذ ہے اور کوئی تفرد اس لیے نہیں ہے کہ اسلاف متقدمین ومتاخرین میں سے بعض کے اقوال وافکار کتب میں موجود ہیں بہر حال ڈاکٹر صاحب کی جو تجدیدی فکر "نسائیات" میں موجود ہے اغلب یہ ہے کہ مستقبل میں مدون ہونے والی فقہ یہی ہو۔

کتاب انتہائی دیدہ وزیب وخوشنما ٹائیٹل کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر چھاپی گئی ہے، مضبوط جلد بندی ہے، باذوق اہل علم اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور لائبریری کی زینت بنائیں۔

(محمد اعظم سعیدی)

ڈاکٹر طاہر منصوری

نقطہ نظر، ایڈیٹر: ڈاکٹر سفیر اختر

(شمارہ نمبر ۳۳) (اپریل ۲۰۱۳ء ..... ستمبر ۲۰۱۳ء)

انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

نسائیات: چند فکری ونظری مباحث ..... محمد شکیل اوج کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

کراچی، جون ۲۰۱۲ء، ۳۰۶ صفحات، مجلد مع گرد پوش، ۵۰۰ روپے۔

خواتین کا معاشرتی مقام اور کردار دور حاضر کا ایک اہم علمی وفکری موضوع ہے، جس پر گزشتہ چند دہائیوں میں مختلف زاویہ ہائے نظر رکھنے والے متعدد مفکرین اور اہل قلم نے گفتگو کی ہے۔ جناب محمد شکیل اوج کی، جو جامعہ کراچی کے کلیہ معارف اسلامیہ کے ڈین (Dean) ہیں، زیر نظر تالیف "نسائیات" چند فکری ونظری مباحث اس سلسلے کی تازہ کاوش ہے۔

عہد حاضر کی تحریک حقوق نسواں اور مساوات مرد وزن کے تصور نے مغربی معاشرے کی طرح مسلم تمدن ومعاشرت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مختلف مسلم ممالک کے عائلی قوانین میں صنفی مساوات اور حقوق نسواں کے جدید تصورات کے زیر اثر بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا مقصد خواتین کو ظلم وجبر اور امتیازی برتاؤ سے بچانا اور ان کے لیے سماجی انصاف کی

فراہمی کو ممکن اور یقینی بنانا ہے۔ یہی مقصد "نسائیات: چند فکری اور نظری مباحث" کے مؤلف کے پیش نظر ہے۔ اُن کی اس کاوش کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں مسلم خواتین کے معاشرتی اور قانونی مسائل کا حل زیادہ تر بصرف اور صرف قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اور انہوں نے احادیث، نیز فقہاء کی آراء سے عموماً استفادہ نہیں کیا۔ کتاب میں شامل چند مباحث، اور ان پر جناب مؤلف کی آراء دیکھیے جن سے اُن کے زاویۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے۔

- کم سنی کی شادی ..... جناب مؤلف کے نزدیک کم سنی کی شادی شرعاً ناجائز ہے۔ اس کی ممانعت پر انہوں نے قرآن کی کئی آیات سے استدلال کیا ہے۔ قدیم فقہاء میں ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم اسی نقطۂ نظر کے قائل تھے۔ جدید اسلامی فقہی فکر میں بھی صغر سنی کی شادی کو عموماً ناجائز سمجھا گیا ہے۔ اور مسلم ممالک کے عائلی قوانین صغر سنی کی شادی کو قابل سزا جرم قرار دیتے ہیں۔
- حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ ..... جناب مؤلف نے مطلقہ کے اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جانے کے اہم معاشرتی مسئلے پر گفتگو کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ حلالے کا مروجہ طریقہ قرآنی تعلیمات سے سراسر متصادم ہے، جن میں نکاح کو مودت و رحمت پر مبنی زندگی بھر کا معاہدۂ رفاقت (Life-long companionship) قرار دیا گیا ہے۔
- عورت کی گواہی ..... جناب مؤلف کی رائے میں قرآن حدود و قصاص میں گواہی کے حوالے سے گواہ کی جنس کی تخصیص نہیں کرتا۔ قدیم فقہاء کے نزدیک معاملات حدود و قصاص میں عورت کی گواہی غیر معتبر ہے۔ وہ امام زہری کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں: مضت السنة فی عهد رسول الله ﷺ و الخليفتين بعده' الا تجوز شهادة النساء فی الحدود و الدماء. اسی طرح سعید بن مسیب، حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت کی گواہی طلاق، نکاح، قصاص اور حدود میں جائز نہیں۔ جدید فقہی فکر میں یہی مؤقف اختیار کیا گیا ہے، تاہم بعض ممتاز اہل علم کو اس سے اختلاف ہے۔ مصر کے نامور فقیہ شیخ محمد الغزالی اور پاکستان کے معروف صاحب علم، مرحوم محمود احمد غازی حدود میں دوسرے معاملات کی طرح عورت کی گواہی کے قائل تھے۔
- تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل ..... اس موضوع پر جناب مؤلف کا نتیجۂ فکر یہ ہے کہ ضرورت کے تحت ایک سے زیادہ شادیاں کرنا قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور معاشرتی ضرورت بھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو عقلی دلائل دیے ہیں، ان میں جنگوں میں مردوں کی بکثرت ہلاکت کے نتیجے میں کثیر تعداد میں عورتوں کی بیوگی، شوہر کے تندرست و توانا ہوتے ہوئے اُس کی فطری جنسی آسودگی کی طلب، مرد کے مقابلے میں عورت کی جنسی خواہش کی کمی، نیز عورت کا جلد جنسی کشش کھو بیٹھنا وغیرہ جیسے امور شامل ہیں۔ ..... یہ اندازہ نہیں کہ طبی تحقیقات کے لحاظ سے ان دلائل کا کیا علمی مقام ہے، البتہ یہ بات واضح ہے کہ تعدد ازدواج کے حق میں یہ باتیں کہی جاتی رہی ہیں۔ جناب مؤلف لازماً اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جنگ عظیم دوم کے بعد کوئی ایسی بڑی جنگ نہیں ہوئی جس میں کثرت سے مرد ہلاک ہوئے ہیں۔
- باندیوں سے تمتع یا نکاح؟ ..... فاضل مؤلف کی تحقیق یہ ہے کہ باندیوں سے جنسی تعلق کے لیے اسلام عقد نکاح کو

ضروری قرار دیتا ہے، جب کہ مفسرین قرآن اور فقہا کی غالب اکثریت اس رائے کی حامل نہیں۔ اُن کے خیال میں باندیوں سے تمتع کے لیے عقدِ نکاح لازمی نہیں۔ جناب مؤلف کا موقف حقِ مساوات اور احترامِ انسانیت کے جدید تصورات سے مطابقت رکھتا ہے۔

....

مذکورہ مباحث کے علاوہ جناب مؤلف نے جن دوسرے اہم معاشرتی مسائل کو اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ہے، ان میں نکاح و طلاق میں زوجین کے حقوق، خلع اور فسخِ نکاح میں عدالت کے کردار، حقِ حضانت اور محصنین اہلِ کتاب کے ساتھ مسلمان خواتین کے نکاح جیسے امور شامل ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان مسائل میں انہوں نے قرآنی آیات سے جس طرح استدلال کیا ہے، وہ مسلمہ تفسیری اصولوں کے مطابق نہیں۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے عربی لغت کے اپنے فہم پر زیادہ انحصار کیا ہے، اور اس کے نتیجے میں بعض بڑی نامانوس تعبیرات سامنے آئی ہیں۔

> ”محصنین اہلِ کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح“ کے ضمن میں اُن کا کہنا ہے کہ مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت ہے مگر ”پورے قرآن مجید میں مشرکین سے مراد سوائے مشرکینِ مکہ کے کوئی اور نہیں ہے۔ اس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ قرآن کا وہ مشرک اب روئے زمین پر کہیں موجود ہی نہیں جس کے بارے میں احکام اترے تھے“ (ص ۹۵) مزید برآں جناب اوج ارشادِ باری تعالیٰ ولکل قوم ہاد (الرعد ۱۳: ۷) اور وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (فاطر ۳۵: ۲۴) کی روشنی میں اہلِ کتاب کا دائرہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ دوسرے قدیم مذاہب کے لوگوں تک پھیلا دیتے ہیں۔ محصنات اہلِ کتاب سے مسلمان مردوں کے جوازِ نکاح کے ساتھ وہ محصنین اہلِ کتاب سے مسلم عورتوں کے مسئلہ نکاح کو بعید فی قرار دیتے ہیں ”جو مثبت اور منفی ہر دو طرح سے قابلِ فہم اور لائقِ شمول ہو سکتا ہے یعنی ضروریاتِ زمانہ کے اقتضاء سے کوئی بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہے“ (ص ۱۰۰)، اور انہیں ذاتی طور پر محصنین اہلِ کتاب کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح زیادہ قرینِ صواب لگتا ہے۔ (ص ۱۰۰)

اس طرح کے منفرد اور نامانوس استدلال کی مثالیں کئی دوسرے مباحث میں بھی ملتی ہیں۔ اُن کے نزدیک غضِ بصر (نظریں جھکانے) کے حکم سے عورتوں کے چہرے کھلے رکھنے کا جواز نکلتا ہے۔ اُن کے الفاظ میں: ”...... غضِ بصر کا حکم...... اسی وقت قابلِ فہم ہو سکتا ہے کہ جب عورتوں کے چہرے کھلے ہوں۔ اگر چہرے ملفوف ہوں تو مردوں کو غضِ بصر کا حکم دینا بے معنی ہوگا“ (صفحات: ۲۲۳-۲۲۴)

قرآنی آیت ...... یدنین علیھن من جلا بیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین (الاحزاب ۳۳: ۵۹) کا ترجمہ جناب مؤلف نے ان الفاظ میں کیا ہے: ”وہ (گھر سے باہر نکلتے وقت) اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے سروں پر بھی لے لیا کریں۔ یہ چادر لینا اس امر کے قریب ہے کہ اس طرح اُن کی پہچان ہو جائے گی اور (عدمِ معرفت کی) اذیت سے بچ جائیں گی اور وہ ایذا

نہیں دی جائیں گی'' (ص ۲۵۳)۔ گویا جناب مؤلف کے نزدیک اس آیت کا پردے یا اختلاط سے بچنے کے حکم سے تعلق نہیں، عدم معرفت کی اذیت سے بچانے کے لیے چادر اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عورتوں کا چہرا کھلا رکھنے کے حق میں اُن کا استدلال اس آیت قرآن سے بھی ہے: تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (الفتح ۴۸: ۲۹) جناب مؤلف کے نزدیک یہاں دیکھنے کا ذکر اپنے حقیقی معنوں میں ہے، یعنی اس سے مراد آنکھوں سے بالفعل دیکھنا ہے، اور چوں کہ رکوع و سجدہ مرد و عورت بھی کرتے ہیں، بالفعل دیکھنے سے عورتوں کے چہروں کا کھلا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مذکورہ بحث میں قصۂ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ: وقالت لاختہ قصیہ فبصرت بہ عن جنب وھم لا یشعرون (القصص ۲۸/۱۱) اور حضرت موسیٰ کی ماں نے اُن کی بہن سے کہا کہ ان کا حال معلوم کرنے کے لیے اُن کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ پس وہ انہیں دور سے پیچھا کرتے ہوئے دیکھتی رہی اور وہ لوگ اس امر سے بالکل بے خبر رہے)

جناب مؤلف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ''معلوم ہوتا ہے کہ تنہا لڑکی کسی امر ضروری کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، نہ صرف باہر بلکہ بہت دور تک بھی جا سکتی ہے، اور جاسوسی کے فرائض بھی انجام دے سکتی ہے۔ کیا یہ واقعہ عورتوں کے مقفل رکھے یا رہنے کے خلاف بطور دلیل کے نہیں ہے؟'' (ص ۲۵۸)

ارشادِ باری تعالیٰ ..... واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم ..... (النساء ۴: ۱۵) کے پس منظر کے طور پر پہلے لکھا گیا ہے کہ: ''قرآن نے فاحشہ عورتوں کو محبوس و مقید رکھنے کا حکم دیا ہے'' (ص ۲۶۱)، اور پھر مذکورہ آیت نقل کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے: ''عورتیں جب تک باکردار اور دین دار ہیں، اُس وقت تک انہیں باہر نکلنے کی پوری آزادی رہنی چاہیے۔ جونہی وہ مشکوک کردار یا بدکرداری میں ملوث نظر آئیں تو اُن کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دینی چاہیے۔'' (ص ۲۶۱)

....

جناب مؤلف نے احادیث یا اقوال و آثارِ صحابہؓ سے بہت کم استدلال کیا ہے، لیکن اس کے برعکس بعض مقامات پر تاریخی روایات اور معاصر اہلِ قلم کی شاذ آراء کو بلا تأمل قبول کر لیا ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے باندی نہ ہونے کے حق میں انہوں نے جناب حامد القادری کی تالیف ''سیرۃ الرسول (جلد ششم)'' اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ''الوثائق السیاسیہ'' جیسے مراجع پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ مضمون ''باندیوں سے تمتع یا نکاح؟'' کے آخر میں جو ''خلاصۂ مضمون بصورتِ نکات'' پیش کیا گیا ہے، اس کے حوالے بھی انتخابی انداز (Eclective choice) کا نمونہ ہیں۔

''نسائیات'' کی آخری بحث ''اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات (۲۰۰۸ء) پر چند گزارشات'' ہے۔ کونسل کی ایک سفارش یہ تھی: ''بیوی اگر کبھی تحریری طور پر طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر ۹۰ دن کے اندر اُسے طلاق دینے کا پابند ہوگا۔ وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو یہ مدت گزر جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، الا یہ کہ بیوی اپنا مطالبہ واپس لے لے'' (صفحات ۲۹۳۔۲۹۴) جناب محمد شکیل اوج نے طلاق کے خود بخود واقع ہو جانے سے تو انکار نہیں کیا، البتہ ۹۰ دن کی مدت کو مدتِ ایلاء کے برابر چار ماہ

کرنے کی تجویز دی ہے۔

کونسل کی ایک دوسری سفارش محرم کے بغیر خواتین کے سفرِ حج کے بارے میں تھی، اُن کے نزدیک پاکستان کے دستور اور قوانین کے تحت تو محرم کے بغیر سفر پر کوئی پابندی نہیں، البتہ ''سعودی عرب کے قوانین کونسل کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتے'' (ص ۳۰۲)۔ دوسرے لفظوں میں اگر خاتون کو محرم کے بغیر سفرِ حج کی اجازت دے بھی دی جائے تو سعودی عرب کے قوانین رکاوٹ ہیں، اور کوئی خاتون محرم کے بغیر فریضۂ حج ادا نہیں کر سکتی۔ جناب مؤلف نے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا سے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ اگر عورت اپنے اندر اکیلے سفرِ حج کی طاقت رکھتی ہے تو اُسے سفر سے روکنا زیادتی ہے۔ محرم کے بغیر سفر سے روکنے والی احادیث جناب مؤلف کے نزدیک مخصوص حالات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انہوں نے موضوع پر اپنی سوچ کا حاصل یہ بتایا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے بلا محرم گھر سے نکلنے، ملازمت کرنے اور سفر کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔

....

مذکورہ ملاحظات کے باوجود جناب محمد شکیل اوج کی یہ کاوش مجموعی طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔ اُن کے نتائجِ تحقیق سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، تاہم عورتوں کے مسائل کے حوالے سے غور و فکر سے انکار ممکن نہیں۔ جناب مؤلف اپنے زاویۂ نظر کے واضح اظہار پر تحسین کے مستحق ہیں۔

(محمد حامد منصوری)

تبصرہ کتب

خواجہ غلام فریدؒ

تبصرہ نگار: زبیر رانا

تجزیہ نگار و صحافی / سہ ماہی سندھ سار، کراچی

(اپریل تا جون ۲۰۱۳ء)

نام کتاب: خواجہ غلام فریدؒ اور ان کے مذہبی افکار

مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، رئیس کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

سنِ اشاعت: 2013ء

صفحات: 192۔۔۔۔۔ قیمت: 300 روپے

ناشر: مجلس التحقیق، B-3، اسٹاف ٹاؤن یونیورسٹی آف کراچی۔

خواجہ غلام فریدؒ آف کوٹ مٹھن شریف (م۔ 1901ء) علومِ ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ

کراچی کے ڈاکٹر ناصر الدین کے بقول" آپ علوم ظاہری و باطنی، دونوں میں ممتاز و امام ہیں" خواجہ غلام فریدؒ کی شخصیت، علم و فن، تصور اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر یونیورسٹیز، کالجز کے اساتذہ، صحافیوں دانشوروں کے قلم کی جولانیاں تھمنے میں نہیں آ رہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق خواجہ فریدؒ پر مختلف موضوعات و عنوانات پر 100 سے زیادہ کتب لباس طباعت میں منظر عام پر آ چکی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، جب کہ مضامین و مقالات کی تعداد دو تین ہزار سے کم نہیں ہوگی، آپ کا کلام اردو میں مکمل ترجمہ ہو چکا ہے جب کہ 50 سرائیکی کافیوں کا انگلش میں ترجمہ ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل نے کیا ہے اسی طرح کچھ کافیوں کا ترجمہ بنگلہ اور سندھی زبان میں بھی ہوا ہے۔

خواجہ غلام فریدؒ کو دینی علوم اور تصوف میں شغف تو ورثہ میں ملا تھا لیکن دیگر متعدد علوم میں اپنی جد و جہد اور صلاحیت سے مہارت حاصل کی تھی، خاص طور پر تاریخ، جغرافیہ، فلکیات، بار آوری نباتات اور مذاہب عالم میں آپ مکمل درک اور دسترس رکھتے تھے، ان کی اس حیثیت کو ہمعصر علماء نے تسلیم بھی کیا، خواجہ غلام فریدؒ نے اپنے ملفوظات میں چند باتیں ایسی بھی ارشاد فرمائی ہیں جو عامۃ الناس اور ارباب سطحی معلومات کی نظر میں جدید اور منفرد ہیں محترم ڈاکٹر پروفیسر محمد شکیل اوج نے ملفوظات (مقابیس المجالس) کے بالاستیعاب مطالعہ سے ایسے منفرد اقوال کو اتفاق و عدم اتفاق کی کسوٹی پر پرکھے بغیر مقابیس کے ہی الفاظ میں من و عن یکجا مرتب کر دیا ہے، تاکہ عہد حاضر کے ارباب علم و فضل خواجہ صاحب کے ان بظاہر تفردات کو تنقید، تصویب اور تنقیح کے عمل سے گزار کر اصل حقیقت کو واضح کر دیں، جیسا کہ ڈاکٹر حافظ احسان الحق صدر شعبہ عربی جامعہ کراچی نے اسی کتاب کے بیک ٹائٹل پر تحریر فرمایا ہے" اکابر پرستی کی بجائے اکابر کے ایسے تفردات سامنے لائے جائیں جن پر اہل علم غور کریں اور علم کا قافلہ جتنا طبیعات کے میدان میں آگے بڑھ چکا ہے اس کی روشنی میں مابعد الطبیعیاتی افکار جو زیادہ تر واردات باطنیہ و قلبیہ پر مشتمل ہیں ان کا بھی از سر نو جائزہ لیا جائے اور ایسی واردات قلبیہ جو فروغ علم کے باعث ثابت شدہ حقائق سے ٹکراتی ہوں (یا عرف عام میں مشہور عقائد سے منفرد ہوں، ز، ر) تنقیح کے عمل سے گزارا جائے تاکہ سوچنے اور سمجھنے کی راہیں وا ہو سکیں۔۔ (چند سطور بعد لکھتے ہیں)۔۔۔۔ ان افکار سے قرآن وسنت کی روشنی میں استفادہ اور بعض افکار سے اختلاف خواجہ غلام فریدؒ کی اہمیت کو کم نہیں کرے گا بلکہ اور بڑھ جائے گا" میرے خیال میں ڈاکٹر احسان الحق صاحب کی یہ تحریر ڈاکٹر محمد شکیل اوج کے اس خیال کی مکمل ترجمانی اور تائید کرتی ہے جس کے تحت موصوف نے خواجہ غلام فریدؒ کے تفردات کو کتابی شکل میں مرتب کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے خواجہ فریدؒ کے جن مذہبی تفردات کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے ان میں سے کچھ نمونہ از مشت خروارے یہ ہیں (1) شجر ممنوعہ سے مراد مباشرت ہے۔ (2) حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم کی ران میں موجود دنبل سے ہوئی۔ (3) حضرت آدم یمن کی زمینی جنت عدن میں تھے۔ (4) اہل ہند موحد اور ان کے چاروں وید الہامی کتب ہیں۔ (5) تمام اوتار اور رشی اپنے وقت کے پیغمبر تھے۔ (6) مجوسی زرتشت کی امت ہیں۔ (7) اہل سند مشابہ اہل کتاب تھے۔ (8) راگ حلال ہیں۔ (9) حیات خضر (10) غیر شرعی رسومات پر عمل کرنا شرک نہیں وغیرہ وغیرہ بہر حال اس کتاب کی وجہ سے خواجہ فریدؒ پر بحث کے کئی دروازے کھلیں گے اور آپ کے افکار میں نکھار آئے گا میرے سمیت خواجہ غلام فریدؒ کے چاہنے والے ڈاکٹر پروفیسر محمد شکیل اوج کے

ممنون ہیں کہ موصوف نے مذہبی حوالے سے ہمیں خواجہ فریدؒ کے نہ صرف ایک اور پہلو سے متعارف کرایا ہے بلکہ شارحین فرید کو ان خطوط پر کام کرنے کی راہ بھی دکھائی ہے۔

کتاب دیدہ زیب ٹائیٹل، مضبوط جلد کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر طبع ہوئی ہے، اساتذہ، طلبا، دانشوروں اور لائبریریوں کے لیے رعایتی قیمت صرف =/200 ہے، خواجہ فریدؒ کے پروانے یہ کتاب ضرور حاصل کریں۔

(زبیر رانا)

انجینئر مختار فاروقی

ایڈیٹر، ماہنامہ حکمت بالغہ (جھنگ) جون ۲۰۱۳ء

خواجہ غلام فرید کے مذہبی افکار، ڈاکٹر محمد شکیل اوج، ناشر مجلس تفسیر، کراچی۔

مشہور مذہبی شخصیات کے افکار کا خلاصہ پیش کرنا علم دوستی بھی ہے اور ایک مشکل کام بھی۔ تاہم یہ کام اردو کے ایک مصرع کے مطابق۔۔۔ع ''پھول کھلے ہیں گلشن گلشن، اپنا اپنا دامن'' والی بات ہے۔ ایک خوبصورت اور وسیع گلشن میں ہر باذوق آدمی اپنی پسند کا گلدستہ ترتیب دے دیتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی بھی دو ہم جو حضرات کا گلدستہ آپس میں مکمل یکسانیت رکھتا ہو۔ یہ ہم جوئی ہمارے قابل احترام ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب نے خواجہ غلام فریدؒ کے گلشن افکار اور مقامیں البیاس' کے جھکوز ا میں کامیابی سے سرانجام دی ہے۔

اس فکری کاوش کا یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ گلشن افکار میں کوئی 'انتخاب'۔۔۔صاحب انتخاب کی اپنی اندرونی شخصیت، دبے خیالات، بہ زاتم مستقبل کی اُمنگیں اور منصوبوں کا رنگ لئے ہوئے ہونا فطری بات ہے۔ ہمارے نزدیک خواجہ غلام فریدؒ کے افکار و خیالات معروف ہیں، انہیں ایک صدی قبل کے اہل حدیث مسلک، دیوبندی مسلک اور ہند کے دیگر علمی خانوادوں (فرنگی محل، اجمیر شریف، بریلی وغیرہ) کا اعتماد حاصل تھا۔ جو مشہور زمانہ تقدلیس الوکیل یعنی' بحث مسائل کے سلسلے میں کی گئی کوششوں میں ان کے کردار سے ظاہر ہے۔ آپ متبحر عالم تھے آپ کا مشاہدہ بہت وسیع تھا آپ صوفی تھے وحدت الوجود کے قائل تھے۔ (شاعری میں یقیناً الفاظ کا انتخاب قرآن و حدیث کے معیار کا ممکن نہیں) آپ کے ملفوظات آپ کے مذہبی افکار کے مکمل آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جدید اُردو دان حضرت کو خواجہ غلام فرید کی شخصیت سے متعارف کرانے کا فریضہ ادا کیا ہے جو ایک وقیع علمی کام ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر احسان ہے۔ ہمارے نزدیک اس 'انتخاب' سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب کے اندر چھپا ہوا ایک خالص روایتی مذہبی، صوفی، وجودی اور تصویر اسلاف مسلمان کا ہیولا سامنے آگیا ہے جو بعض داخلی اور خارجی حوادثات کے باعث ناساعد ماحول میں وقت گزارنے پر مجبور ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت امام غزالیؒ اور مولانا رومؒ کی طرح یہ ابن بھی حاضر و موجود سے منہ موڑ کر روحانیات کے میدان میں اپنے خوابیدہ جوہر دکھا رہا ہو۔ آمین

(انجینئر مختار فاروقی)

تبصرہ نگار، پروفیسر محمد شکیل صدیقی

فرانٹ ے اسپیشل (کراچی)

(۲۰ دسمبر ۲۰۱۳ء)

ڈاکٹر شکیل اوج...... ایک صاحب کمال مصنف ،خواجہ غلام فرید کے ملفوظات '' جامع ملفوظات، اشارات فریدیہ''المعروف'' مقابیس المجالس''ان کے صاحب کمال مصنف ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

اگر عصر حاضر کے صاحب کمال (Versatile) مصنفین کی کوئی ایسی فہرست مرتب کی جائے جو اپنے موضوع (Subject) پر عبور و مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کے بھی ماہر و شہسوار ہوں تو پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کا نام اس فہرست سے نظر انداز کرنا ممکن نہ ہوگا۔ پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج (رئیس کلیہ معارف اسلامی، جامعہ کراچی) کے تخصص (Specialization) کا اصل میدان قرآن اور علوم قرآن ہے لیکن انہوں نے دینی وعصری علوم حدیث ،سیرت ،فقہ ،تعلیم اور سیاست پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اور خوب کی ہے۔اُن موضوعات پر تالیفات وتصنیفات کے علاوہ ان کے تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہیں ۔ہفت رنگی ،باہمہ دانی (Versatility) متقدمین علماء ومصنفین کا وصف خاص تھی۔علوم کی ہر صنف پر نہ صرف ان کی تحریریں ہیں بلکہ انہیں علوم پر کامل عبور حاصل تھا۔

آج یہ وصف خاص بجا طور پر ڈاکٹر شکیل اوج کی تصنیفی وتالیفی خدمات اور کارناموں میں دیکھا جاسکتا ہے اور اس کا بیّن ثبوت ''حضرت خواجہ غلام فریدؒ (1845ء۔ 1901ء) کے مذہبی افکار'' پر مشتمل 191 صفحات کی تصنیف ہے۔

خواجہ غلام فریدؒ برعظیم پاک وہند کے انیسویں صدی کے نامور صوفی بزرگ اور عالم تھے۔نئی نسل کے نزدیک ان کی شناخت وشہرت حکمت ودانائی سے لبریز'' کافیاں'' ہیں ۔'' دیوان فرید'' ان کی کافیا شاعری کا مجموعہ کلام ہے۔خواجہ صاحب ایک موحد صوفی بزرگ تھے۔انہوں نے اپنے صوفیانہ کلام میں عقیدۂ توحید اور صفات باری تعالیٰ کو خاص موضوع بنایا ہے۔وہ اپنی ایک کافی میں اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

اے حسن حقیقی نور ازل
تینوں واجب تے امکان کیوں
بے رنگ کیوں بے مثل کیوں
بے صورت ہر ہر آن کیوں
کر توبہ ترت فرید سدا
ہر شے نوں پر نقصان کیوں
اے پاک الکھ بے عیب کیوں
اے حق بے نام نشان کیوں

خواجہ فرید کی تصانیف میں "اشارات فریدیہ" المعروف مقابیس المجالس کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ زیر نظر کتاب "خواجہ غلام فرید کے مذہبی افکار" مقابیس المجالس کی پانچوں جلد کا مطالعہ ہے۔

کتاب کے آغاز میں معروف اسکالر محمد اعظم سعیدی صاحب نے "کلمات تنقیح" کے عنوان سے خواجہ غلام فرید کی سیرت و شخصیت اور ان کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ یہ جائزہ خواجہ غلام فرید سے نا آشنا قارئین کے لیئے نہایت معلوماتی اور فکر انگیز تعارف پر مبنی ہے۔ محترم سعیدی صاحب "کلمات تنقیح" میں خواجہ صاحب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"خواجہ غلام فرید اپنے عہد کی ہمہ جہت نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ دینی اور عصری علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہیں انگریزی سمیت متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ ہفت زباں شاعر تھے۔ خواجہ غلام فرید کی شناخت اور شہرت تو تصوف کے حوالے سے ہے مگر وہ علوم متداولہ میں منفرد مقام رکھتے تھے اور مسند تصوف اور مسند تدریس کا حسین سنگم تھے۔"

وہ مزید رقم طراز ہیں کہ:

"توحید و تصوف جیسے معتقدات میں خواجہ غلام فرید، حضرت ابن عربی، مولانا رومی و جامی، جنید و بسطامی کی فکر کے پیروکار ہیں، بایں ہمہ اپنی خداداد صلاحیت و لیاقت کے سبب وہ خود اس مسلک کے اسکول آف تھاٹ قرار پائے۔"

محترم اعظم سعیدی صاحب نے خواجہ غلام فرید کے بارے میں ڈاکٹر شکیل اوج کے علمی و تحقیقی کام کا اعتراف اور تحسین ان الفاظ میں کی ہے:

"دو سال قبل ڈاکٹر شکیل اوج صاحب نے میری خواہش پر خواجہ غلام فرید کے ملفوظات پر ایک تحقیقی کام کیا تھا کہ..... خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات خود پڑھ کر یا جامع الملفوظات سے سماعت فرما کر ان کی تصدیق فرمائی تھی یا نہیں؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے مقابیس المجالس کی پانچوں جلد کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے تفصیلی مضمون میں یہ تحریر فرمایا کہ بجز چند ملفوظات کے (بسبب مرض وصال) باقی جملہ ملفوظات مصدقہ ہیں۔ ڈاکٹر اوج نے دوران مطالعہ خواجہ غلام فرید کے چند تفردات ملاحظہ فرمائے اور پھر انہیں اہل علم کے سامنے لانے کے لیئے جمع کیا اور کچھ دیگر مسائل تصوف و فقہ کے علاوہ بعض معتقدات کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ ان تفردات و معتقدات کی جمع و تبویب کے بعد کتابی صورت میں مجھے دکھایا تو ڈاکٹر صاحب کا یہ کام میرے لیئے حیرت کا باعث ہوا..... میں کم و بیش بیس سال سے فریدیات پر کام کر رہا ہوں اور درجن سے زیادہ مضامین و مقالات شائع ہو چکے ہیں لیکن ایسا منفرد عنوان میرے ذہن میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی اس کاوش کو سراہتا ہوں کہ انہوں نے خواجہ غلام فرید کے حوالے سے بعض ان مسائل کو جو پس غبار تھے پھر سے منظر عام پر لا کر بہت اچھا کیا اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس کی ضرورت تھی۔"

ڈاکٹر جاوید چانڈیو (چیئرمین شعبہ سرائیکی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) نے ڈاکٹر اوج کی کتاب "خواجہ فرید کے مذہبی افکار" کو ایک معتبر کام قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ایک باعمل صوفی، باصفا عالم اور قبولیتِ عامہ کو پہنچنے والے شاعر خواجہ غلام فرید کے فکر وفن کو سمجھنے کے لیے مقابیس المجالس ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور ڈاکٹر شکیل اوج صاحب نے اس کتاب کے اہم ترین حصے کو جس طرح از سر نو مرتب کیا ہے اس پر وہ صرف داد و تحسین کے مستحق ہی نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ان کا یہ کام صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے"

ڈاکٹر شکیل اوج نے "کلماتِ آغاز" میں ملفوظاتِ فرید پر ایک پُر مغز تحقیقی اور جامع مقدمہ سپردِ قلم کیا ہے۔ انہوں نے ملفوظاتِ فرید کی جن خصوصیات کا ذکر کیا اس کے مطابق:

1۔ خواجہ فرید کے ملفوظات خرقِ عادات امور ان کی رحلت کے اسّی سوسال بعد ہی مرتب کیے گئے۔

2۔ یہ ملفوظات عام روایتی ملفوظات سے یکسر مختلف ہیں۔ ان میں نہ تو تصوف کی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں اور نہ ہی قناعت، صبر، توکل، رواداری، ضبطِ نفس، ایثار، حلم و حوصلہ، جاں نثاری، خواہشات کی عدم پیروی وغیرہ جیسی تعلیمات کا ذکر ہے۔

3۔ خواجہ غلام فرید کے ملفوظات کا منہج یہ ہے کہ وہ حضرتِ انسان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ "اے انسان! تو مکرم اور ذی احترام ہے، اس دنیا کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے تیرا حصہ مقرر فرما دیا ہے، اپنا حصہ خیرات کی طرح مت مانگ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل، ہمت اور پھر محنت سے حاصل کر۔

4۔ خواجہ غلام فرید کے ملفوظات میں انسان کے لیے یاس و قنوط کے بجائے رجائیت ہے۔

5۔ ملفوظاتِ فرید یہ پانچ جلدوں میں 1112 صفحات پر محیط ہیں، انہوں نے ان ملفوظات میں بیسیوں موضوعات پر گفتگو کی ہے۔

6۔ "جامع الملفوظات" مولانا رکن الدین نے تاریخ و سن کے ساتھ فارسی زبان میں لکھے تھے، جب کہ خواجہ صاحب کا میڈیم سرائیکی تھا۔ بعد میں یہ ملفوظات "اشاراتِ فریدیہ" کے نام سے فارسی میں ہی طبع ہوئے جس کا اردو ترجمہ معروف مترجم کپتان واحد بخش سیال نے "مقابیس المجالس" کے نام سے کیا۔

ڈاکٹر اوج نے خواجہ صاحب کے ملفوظات کے اسلوب کی بھی نشاندہی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"خواجہ غلام فرید مجلس میں یا تو خود کسی عنوان پر سلسلۂ کلام شروع فرماتے یا مجلس میں موجود اہلِ علم کوئی سوال قائم کر کے یا کسی مسئلے پر باہم گفتگو کر کے خواجہ صاحب کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ اس پر کلام فرماتے، یا پھر دورانِ کلام کوئی دوسرا سوال بھی کر دیا جاتا تو اس کا جواب بھی عنایت فرماتے۔ جامع الملفوظات (اشاراتِ فریدیہ) کو ڈائری کے انداز میں قلمبند کیا گیا ہے اور مترجم نے بھی اسی التزام کو برقرار رکھا ہے، یعنی عبارت کو مربوط کتابی طرز میں مرصع و منقح کرنے کے بجائے مجلسی انداز میں گفتگو کے حسن کو برقرار رکھا ہے۔ ڈاکٹر اوج کا کہنا ہے کہ مقابیس میں استفسارات کے جوابات بھی مرقوم ہیں مگر آپ کے جوابات کو

تو کوئی نام نہیں دیا گیا سوائے ایک مقام کے''

ڈاکٹر اوج نے ''خواجہ غلام فرید کے مذہبی افکار'' کو 12 ابواب میں تقسیم کیا ہے، جو اس طرح ہیں:

''باب 1: توحید، اقسام توحید، اسماء وصفات۔ باب 2: تجرد واشتغال۔ باب 3: تقرب الی اللہ اور وسائط۔ باب 4: مذہب سابقہ اور ان کے اثر وآثار۔ باب 5: الصلوٰۃ (نماز)۔ باب 6: علامات وآثار اسلاف مسلمین۔ باب 7: مذہبیات و عقائد۔ باب 8: مسائل فقہ۔ باب 9: فضائل و خوارق اولیاء۔ باب 10: روح اور تناسخ و بروز۔ باب 11: سماع (قوالی)۔ باب 12: متفرق مسائل۔

ڈاکٹر اوج نے زیر نظر کتاب کو اپنے جواں سال مرحوم بیٹے محمد ریحان کے نام منسوب کیا۔ تین سال قبل ریحان کی وفات پر صاحب اولاد کے لیے بڑا صدمہ تھی۔

کتاب طباعت کی جملہ خصوصیات سے مزین ہے۔ مجلس التفسیر جامعہ کراچی سے مبلغ 300 روپے کے عوض حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں کتاب کے سرسری مطالعہ کے بعد کہہ سکتا ہوں کہ مصنف نے اپنی محنت، صلاحیت ولیاقت سے خواجہ فرید کے ملفوظ کو پیش کیا ہے، اس پر وہ یقیناً اہل علم کی جانب سے داد و تحسین کے مستحق ہیں۔

پروفیسر محمد شکیل صدیقی

تبصرہ کتب

تعبیرات

چوہدری عبدالحمید

اسٹاف آفیسر ٹو چیف جسٹس آف پاکستان، ۲۶ جولائی ۲۰۱۲ء

محترم پروفیسر صاحب، السلام علیکم!

آپ کی کتاب ''تعبیرات'' محترم چیف جسٹس آف پاکستان جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کو موصول ہوچکی ہے۔ جس کیلئے وہ آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوش کو قبولیت وثمرات سے بہرہ ور فرمائے اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کیلئے رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور ان کیلئے دین فہمی میں معاون و مددگار ہو۔

اس موقع پر جناب چیف جسٹس صاحب آپ کیلئے نیک خواہشات اور تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

(چوہدری عبدالحمید)

جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال

۴/اگست ۲۰۱۳ء

محترمی و مکرمی جناب پروفیسر محمد شکیل اوج صاحب

السلام علیکم۔

آپ کی ارسال کردہ تصنیف تعبیرات موصول ہوگئی۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ میں انشاء اللہ اسے شوق سے پڑھوں گا اور استفادہ کروں گا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ "اجتہاد اور اس کے ارتقاء" کے موضوع پر کوئی کتاب لکھیں۔ علامہ اقبال "اجتہاد" کو "اصول حرکت" قرار دیتے ہیں۔ پاکستان کا وجود میں آنا بھی اجتہادی فکر کا نتیجہ ہے۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

خیر اندیش

(جاوید اقبال)

تعبیرات

خورشید ندیم

روزنامہ دنیا، جمعرات ۹ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ، ۱۲ دسمبر ۲۰۱۳ء

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی نئی تصنیف "تعبیرات" میرے سامنے ہے۔ فکر تازہ کے اس مظہر کیلئے شاید اس سے موزوں عنوان، کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلاف سے منسوب علم و حکمت کی وہ عظیم الشان روایت جو ہم سب کیلئے باعث صد افتخار ہے، اگر ایک لفظ میں بیان کی جائے تو وہ "تعبیر" ہے۔ دوسرے لفظوں میں نصوص پر غور و فکر، اُن کی تفہیم اور پھر استنباط احکام۔ ہم اسے تفسیر، علم حدیث اور فقہ کے زیر عنوان بیان کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے اعلان سے واضح تھا کہ اُس الہام کا باب اب بند ہوا جس پر ابن آدم کی ہدایت منحصر ہے۔ دین مکمل ہوا اور اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ نے ایک لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع سے اس کی گواہی لی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، دین میں کسی کی یہ حیثیت نہیں کہ اس کا فرمایا شریعت اور ہدایت قرار پائے۔ تاہم تفقہ فی الدین کا دروازہ کھلا ہے اور قیامت تک کھلا رہے گا۔ ہم قرآن مجید پر غور کریں گے۔ آپ ﷺ کے ارشادات و افعال کو سمجھیں گے اور پھر اپنا نتیجہ فکر بیان کر دیں گے۔ اسلاف نے بھی یہی کیا۔ آیات سے مفہوم اخذ کیا اور اس باب میں اختلاف بھی کیا۔ اہل تفسیر نے ایک آیت کے معانی بیان کرتے ہوئے بہت سے اقوال جمع کر دیئے، جو متضاد بھی ہیں۔ حدیث کے باب میں بھی روایت و درایت کے تحت ایک سے زیادہ آراء بیان ہوئیں یہی معاملہ فقہ کا ہے۔ بہت سے فقہی مسالک کی موجودگی شاہد ہے کہ اخذ و استنباط میں اختلاف ہوا۔ یہ ساری روایت اس کے سوا کچھ نہیں کہ نصوص کی انسانی تعبیر ہے۔ اس تعبیر پر نص کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بایں ہمہ یہ کہنا کہ تعبیر کا باب بند ہو گیا، سابقہ تعبیر کو وحی

والہام کے مترادف قرار دیتا ہے۔ تعبیر کی اس روایت کو اگر باقی رہنا ہے تو لازم ہے کہ ہر دور میں ایسے اہل علم موجود رہیں جو یہ فریضہ انجام دیں۔ اس کیلئے آج بھی شرط وہی ہے جو ماضی میں تھی: تفقہ فی الدین۔ جس فرد میں صلاحیت موجود ہے وہ اسلاف کی اس تاریخ کا وارث ہوگا اور تعبیر کی اس روایت کو آگے بڑھائے گا، جس نے تفسیر، علم حدیث اور فقہ سمیت بہت سے علوم کو جنم دیا۔

دور حاضر میں ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا شمار بھی ایسے ہی اصحاب علم میں ہوتا ہے جو اسلاف کی اس روایت کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

ڈاکٹر شکیل اوج، میرے علم کی حد تک، ان گنے چنے اہل علم میں شامل ہیں جو دین کے باب میں قرآن کو اعتقاداً نہیں عملاً حاکم مانتے ہیں۔ اہل علم کی اکثریت کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ قرآن کو دین کا پہلا ماخذ اور اسے فرقان مانتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ان کا علمی کام کم ہی اس دعوے کی دلیل بنتا ہے۔ عملاً ماخذات کی فہرست میں قرآن سب سے آخر میں ہے۔ قرآن پر روایت حاکم ہے یا فقہ۔ تفسیر، حدیث، فقہ۔۔۔ سارے دینی لٹریچر پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ الا ماشاء اللہ، اس کے بہت کم مظاہر دکھائی دیں گے کہ لوگ قرآن کی روشنی میں حدیث یا اقوال اسلاف کو سمجھتے ہوں۔ اس کے البتہ ان گنت شواہد موجود ہیں کہ روایات اور اقوال کو حاکم مان کر قرآن کی آیات کی تعبیر ہو رہی ہے۔ اس باب میں اگر کسی نے تنقید کی ضرورت محسوس کی تو بس اتنی کہ روایت کو سند کے پیمانے پر پرکھ لیا۔ اس کے بعد قرآن کا متن کچھ کہتا رہے، حاکمیت روایت ہی کی ہوگی۔ اس بات کو سمجھنا چاہئے تو معروف اردو تفاسیر میں سورۂ انفال کی آیات ۶۷۔۶۸ کی تفسیر پڑھ لے۔ اسی طرح فقہاء کے اقوال کو حاکم مانا گیا ہے۔ اگر کسی نے جواباً قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرنا چاہی تو فتویٰ اور اس کے آگے بڑھ کر اہتمام سے اس کی زبان بندی کی کوشش کی گئی۔ ڈاکٹر شکیل اوج کا شمار ان اہل علم میں ہوتا ہے جنھوں نے اس ترتیب کو الٹنے کی سعی کی۔ "تعبیرات" کے مضامین اس کی شہادت ہیں۔

"تعبیرات" کے مضامین ایک دوسرے پہلو سے بھی اہم ہیں۔ مسلمانوں کی جس علمی روایت کا میں نے ذکر کیا، اس میں ارتقا ہی کسی عہد میں اس معنویت کو بیان کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ جس دور میں جی رہے ہیں اس کے بدلتے حالات میں دین آپ کو پوری طرح راہنمائی فراہم کر رہا ہے یا نہیں؟ کثیر المذہبیت (Pluralism) کی دوڑ میں دنیا کو 'دارالاسلام' اور 'دارالحرب' میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس تمدنی تبدیلی سے قدیم فہم پر نظر ثانی ناگزیر ہے۔ کتاب میں شامل چند مضامین کے عنوانات نقل کر رہا ہوں جس سے جانا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی عصر حاضر میں کیا افادیت ہے: "کیا غیر مذاہب کے تمام پیروکار باطل پرست ہیں؟"؛ "انسان کا ذہنی ارتقاء"؛ "حقیقت ربا اور اس کی اطلاقی نوعیت"؛ "لیڈ ر۔ قرآن کریم کی روشنی میں"؛ "عذاب الٰہی اور فطری حوادث کے مابین فرق و امتیاز"؛ "امام ابوحنیفہ کی قرآن فہمی کے چند نکات"۔ یہ آخری مضمون تو ان لوگوں کو بطور خاص پڑھنا چاہیے جو حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی روایات کے اسیر ہیں۔

یہاں ایک انتباہ کی ازالہ ضروری ہے۔ خارج میں پیدا ہونے والی ضروریات کے زیر اثر نصوص کی تعبیر میں یہ خطرہ موجود ہوتا ہے کہ کسی عصری پیمانے کو معیار مان کر نصوص کو ان کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے یہ کوئی محمود کاوش نہیں۔ اس فکری کجی سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن کو داخلی وسائل کی بنیاد پر سمجھا جائے۔ ان وسائل میں قرآن کی زبان، اس کا نظم اور اس کا اسلوب بہت اہم ہیں۔ اگر تفسیر میں انہیں پیش نظر رکھا جائے تو یہ امکان باقی نہیں رہتا کہ دینی نصوص کو عصری حقائق سے ہم

آہنگ بنانے کیلئے تفسیر بالرائے کا سہارا لیا جائے۔

'تعبیرات' میں پیش کیے گئے نتائج فکر اگرچہ جدید ہیں لیکن میں ان معنوں میں انہیں روایتی سمجھتا ہوں کہ یہ غور و فکر کی قدیم روایت کا تسلسل ہیں۔ قدیم روایت تنقید کے پل صراط سے گزری ہے۔ یہ کتاب بھی اس مرحلے سے گزرے گی۔ اگر یہ کام استدلال اور شائستگی کے دائرے میں ہوتا ہے تو یہ کتاب اور اس کی تنقید دونوں یکساں محترم ٹھہریں گے اور اسے دین کی خدمت سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر اسے فتوئی اور اتہام کے حوالے کر دیا گیا تو یہ ہماری بدقسمتی ہوگی۔ اہل علم سے توقع بھی رکھی جانی چاہئے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت اس فرق کو پیش نظر رکھیں گے۔ میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش دین کی غیر معمولی خدمت ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو اعتقاداً ہی نہیں عملاً بھی حاکم مانا ہے۔ آج ہمیں فرقہ واریت اور مذہب کے نام پر جس انتہا پسندی کا سامنا ہے، اس کا علاج یہی ہے کہ قرآن مجید کی حاکمیت پر مبنی علمی روایت کو آگے بڑھایا جائے۔

(خورشید ندیم)

شیخ محمد اقبال لاسی

(استاد اسلامیات، ابوظہبی، متحدہ عرب امارات)

ماہنامہ سوئے حرم، دسمبر ۲۰۱۳ء

کتاب کے ٹائٹل سے اکثر لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید یہ کوئی خوابوں کی تعبیر بتانے والی کتاب ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ خوابوں سے اس کتاب کا تعلق تو ہے مگر وہ ہیں خواب غفلت، جن سے جگانے کا کام یہ کتاب خوب کر سکتی ہے۔ اس کتاب میں امت کو جمود اور تقلید کے خواب سے جگانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے جب تک یہ امت علمی و تحقیقی دنیا میں کما حقہ داخل نہیں ہوتی تب تک یہ اقوام عالم کے ساتھ چلنے سے قاصر رہے گی، بیشک کتنے ہی خواب کیوں نہ دیکھتی رہی لیکن ان کی تعبیر علم، عمل اور تحقیق سے جڑی ہوئی ہے۔ مصنف نے اپنی اس کتاب کو ہیں مختلف عنوانات میں تقسیم کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں: کیا غیر مذاہب کے تمام پیرو باطل پرست ہیں؟، حقیقت ربا اور اس کی اخلاقی نوعیت، ایڈز قرآن کریم کی روشنی میں، امام ابو حنیفہ کی قرآن فہمی کے چند نظائر، حج اکبر کا معنی و مفہوم، ہدایت و ضلالت میں انتخاب کی آزادی۔ ان عنوانات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف کی سوچ اور فکر ہمہ جہتی اور اجتہادی بصیرت کی حامل ہے۔ اسی حوالے سے ہمارے خیال میں یہ کتاب تمام علمی، تحقیقی اور تعلیمی اداروں سے متعلق افراد کیلئے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔ کاش ہم اپنے مزاج میں تبدیلی لائیں اور جدید تعبیرات پر غور کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔ تقلید محض نے امت میں نہ صرف علمی افلاس کو جنم دیا ہے بلکہ قبر پرستی کے ساتھ ساتھ آبا پرستی، اکابر پرستی، مسلک پرستی اور حاکم پرستی کو بھی فروغ دیا ہے جس کا منطقی نتیجہ شدت، فرقہ واریت اور دوسروں سے نفرت ہے۔ ایسی فضا میں ایسی کتابیں یقیناً ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ ان کی اور ان کے مصنفین کی قدر کی جانی چاہئے۔ تیز ہواؤں میں دیا جلانا کون سا آسان کام ہے۔ مصنف نے یہی مشکل کام انجام دیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کے اس کام کو ان کے اخلاص کے بقدر قبول فرمائے اور اس کتاب کو امت

میں علمی و تحقیقی مزاج پیدا کرنے کا ذریعہ بنائے۔

(شیخ محمد اقبال لاسی)

تبصرہ کتب

قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم

تبصرہ نگار ظفر حجازی

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن

(نومبر ۲۰۱۳ء)

تبصرہ بعنوان! کتاب نما: قرآن مجید کے منتخب اُردو تراجم کا تقابلی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج۔ ناشر: مکتبہ قاسم العلوم۔ تقسیم کار: ملک اینڈ کمپنی، رحمٰن مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4021415، صفحات: ۲۸۲۔ قیمت: ۳۵۰ روپے۔

اردو زبان میں قرآن مجید کے جزوی تراجم دسویں صدی ہجری میں شروع ہوئے۔ چند سورتوں اور چند پاروں کے اُردو ترجمے کا سلسلہ ۱۷۹۰ء میں شاہ عبد القادر دہلوی کے مکمل اُردو ترجمے موضح قرآن کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کے بعد اُردو میں تقریباً ۵۰۰ تراجم ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں قرآن مجید کے آٹھ منتخب اُردو تراجم کے پارہ عم کی چند منتخب سورتوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان آٹھ تراجم و تفاسیر میں درج ذیل مترجمین و مفسرین کے تراجم دیے گئے ہیں: مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۹۲۰ء) مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۹۲۱ء) مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۸ء) مولانا عبد الماجد دریابادی (۱۹۷۷ء) مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (۱۹۷۹ء) مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۹۷ء) مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری (۱۹۹۸ء) مولانا ابو منصور (۱۹۹۹ء)۔

قرآنی تراجم کے تقابلی مطالعے میں معنویت، لغویت، ادبیت اور تفسیری نکات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ تیسویں پارے کی ۱۰ منتخب آیات معنویت کے لحاظ سے تقابلی مطالعے کے لیے لی گئی ہیں اسی طرح لغویت کے لحاظ سے تقابل کی خاطر ۱۲ آیات لی گئی ہیں اور ادبیت کے نقطۂ نظر سے سات آیات کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک آیت کا متن دے کر آٹھ مترجمین کا اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ صرفی نحوی اور لغوی معانی کی بحث کے بعد آٹھوں تراجم میں بعض الفاظ پر بحث کے بعد ایک یا ایک سے زائد اُردو تراجم کی فوقیت بیان کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی تحقیق اور تنقیدی تجزیاتی رائے پیش کرنے میں کسی مسلکی تنگ نظری کا ثبوت نہیں دیا۔ سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۶ سنقرئک فلا تنسیٰ میں سنقرئک کے اُردو ترجمے پر بحث ہوئی ہے۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ ''ہم آپ کو پڑھائیں

گے'' کیا ہے۔ بعض نے تو ''تمہیں'' تم کا ترجمے میں استعمال کیا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ '' آپ'' اور ''تو'' ، ''تم اور تمہیں'' میں فرق ہے۔ بعض مترجمین نے ترجمے میں پڑھا دیا کریں گے (عبدالماجد دریابادی) ''ہم پڑھوا دیں گے تجھ کو'' (سید مودودی) لکھا ہے۔ مصنف کی رائے میں پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ ''ہم آپ کو پڑھائیں گے'' پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے'' مقابلتاً بہتر ہے۔

اس تقابلی مطالعے سے خواہش اور کوشش یہ ہے کہ قرآن مجید بہتر سے بہتر ترجمہ ہوتا رہے۔ اس سے بہتر فہم حاصل ہوگا اور عمل صالح بھی بہتر ہوگا۔ یہی ہدایت کا منشا ہے۔ مصنف کی یہ کاوش ان کی قرآن مجید سے نہایت درجے کی محبت کی دلیل ہے۔ البتہ ہم چند اُمور کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ مصنف نے مترجمین کے تعارف میں ۹۲ صفحات صرف کیے ہیں۔ ان میں متعدد مقامات پر بہت سی اغلاط ہیں۔ سب جگہ محمد علی جوہر کا سنِ وفات ۱۹۳۱ء کے بجائے ۱۹۳۰ء لکھا گیا ہے۔ (ص ۴۸۔ ۸۸)۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد کے سابق ڈائریکٹر ظفر الحق انصاری نہیں (ص ۱۰۰) بلکہ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری ہیں۔ سید مودودی نے مولانا عبدالسلام نیازی سے تعلیم ان کے گھر حاضر ہو کر حاصل کی نہ کہ مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری دہلی میں وغیرہ۔

تقابلی مطالعے میں مصنف کا اسلوب بیان علمی اور تنقیدی ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں مترجمین کے سوانحی کوائف اور سنین کی اتنی غلطیوں کا راہ پا جانا تعجب انگیز ہے۔

(ظفر حجازی)

تبصرہ کتب

شخصیات نمبر

رسالہ یا گلدستۂ محبت

ڈاکٹر طاہر مسعود

روزنامہ نئی بات، کراچی

اب یہ تو ٹھیک سے یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر شکیل اوج سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی لیکن یہ بات طے ہے کہ جب پہلی ملاقات ہوگئی تو ملاقاتوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہمارے درمیان قدرِ مشترک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ یعنی وہ قرآن حکیم کے عاشق ہیں اور میں اس کا طالب علم ہوں۔ وہ ہمہ وقت مطالعے کے شائق اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کے عادی۔ میرا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ اختلاف میرے اور ان کے درمیان یہ ہے کہ میں کٹر مقلد ہوں، وہ ٹھہرے آزاد خیال۔ میں علماء اور صلحاء کی رائے پر آنکھیں بند کر کے آمنا صدقنا کہنے والا اور وہ قرآن حکیم کو حکم بنا کر اس سے ہر مسئلے کا استنباط کرنے والے۔ انہیں جب قرآن حکیم سے کسی مسئلے کی بابت واضح رہنمائی مل جائے تو پھر وہ بڑے سے بڑے عالم کے فتوے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ آدمی جرأت مند ہیں۔ جس

بات کو صحیح سمجھ لیں، اس کے اعلان و اظہار میں خوف و مصلحت کو راہ نہیں دیتے۔ اسی لیے کوئی انہیں ماڈرنسٹ پکارتا ہے، کوئی منکرِ حدیث اور کوئی گم راہ۔ یہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ حافظِ قرآن ہیں، درسِ نظامی کے فارغ التحصیل۔ ان دنوں جامعہ کراچی میں کلیۂ معارفِ اسلامیہ میں ڈین ہیں۔ دینی موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور ایک سہ ماہی علمی و تحقیقی رسالہ "التفسیر" نکالتے ہیں۔

ڈاکٹر شکیل اوج کے ذہنی ارتقا کی کہانی بھی بہت دلچسپ ہے۔ ایک زمانے میں یہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کے معتقد و مرید تھے۔ ان کے علم و فضل کے ایسے قائل تھے کہ نہ صرف اعلیٰ حضرت کی تمام تصنیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا بلکہ ان کی شخصیت اور خدمت پر ایک کتاب بھی لکھ ڈالی۔ پھر ان پر وہ وقت بھی آیا کہ یہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے حسنِ بیان کے اسیر ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی پارٹی میں شامل ہو کر نائب ناظم کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب بھی ان کی علمیت اور رائے کی قدر کرتے تھے۔ والد صاحب کا انتقال ہوا تو نمازِ جنازہ ڈاکٹر طاہر القادری نے پڑھائی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ ڈاکٹر صاحب کے سحر سے نکل آئے۔ غالباً ان سے پہلے ڈاکٹر شکیل اوج کی قربت مولانا شاہ احمد نورانیؒ سے بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ کہ یہ مولانا نورانی کے ہاتھوں پر بیعت ہو گئے تھے۔ مولانا ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ اکثر ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ مولانا کا اس درجہ جھکاؤ دیکھ کر ان کے مریدوں میں بھی ڈاکٹر اوج کی پذیرائی ہونے لگی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی مفتی منیب الرحمان ہوں یا حاجی حنیف طیب، اہلِ سنت والجماعت کے سارے اکابرین ڈاکٹر شکیل اوج کی نہ صرف عزت و قدر و منزلت کرتے ہیں بلکہ انہیں "اپنا ہی آدمی" سمجھتے ہیں۔ ادھر ان حضرت کی آزاد خیالی کا حال یہ ہے کہ پچھلے ہی دنوں دیوبندیوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ پر ایک کانفرنس منعقد کی تو انہیں بھی مقالہ پڑھنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ہمارے ڈاکٹر صاحب شیخ الہندؒ کے فضائل و مناقب نیز ان کی قرآن فہمی پر ایک عالمانہ مقالہ لکھ کر لے گئے۔ مقالہ سن کر مولانا فضل الرحمان، جو صدارت کر رہے تھے، بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا: "ڈاکٹر صاحب! ہم تو سیاسی لوگ ہیں، آپ علمی شخصیت ہیں، آپ کا کام زیادہ اہم ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں۔"

قصہ مختصر یہ کہ قرآن میں غوطہ زنی نے ڈاکٹر شکیل اوج کو فرقہ بندی اور گروہ بندی سے بلند کر دیا ہے۔ اب وہ قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ہر پلیٹ فارم پر جانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ان کی وسیع المشربی کا اندازہ "التفسیر" کے تازہ شمارے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ضخیم شمارہ شخصیات نمبر ہے اور اس میں بلا لحاظ فرقہ و مسلک ان تمام دینی شخصیات پر مقالات جمع کر دیے گئے ہیں۔ جنہوں نے کسی نہ کسی سطح پر اسلام کی خدمت کا گراں قدر فریضہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ 554 صفحات پر مشتمل اس شمارے میں ایک طرف جہاں بریلویوں کے علما مولانا سید احمد سعید کاظمیؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ پر معلومات افزا مقالے ہیں تو وہیں دیوبندی علما مولانا مفتی محمودؒ، صوفی عبدالحمید سواتی اور مولانا سعید اکبر آبادیؒ پر بھی فکر انگیز مقالات لکھوائے گئے ہیں۔ ایک طرف ندوۃ العلماء کے مولانا ابوالحسن ندویؒ اور مولانا عبدالرشید نعمانیؒ پر معلومات فراہم کی گئی ہیں تو دوسری طرف جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا گوہر رحمٰنؒ پر بھی پڑھنے کے لیے خاصا کچھ ہے۔ رسالے میں جماعتِ اسلامی کے ناقد اور مفسرِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ، علامہ اسدؒ اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین پر بھی مقالات شامل ہیں۔

رسالے میں تین شخصیات ایسی ہیں جن سے میں پہلے واقف نہیں تھا۔ ایک تو ڈاکٹر حمید اللہؒ کے دادا قاضی بدرالدولہ

دوسرے بہار سے تعلق رکھنے والے سیرت نگار مولانا عبدالرؤف دانا پوری حسن جن کی سیرت پر کتاب "اصح السیر" کی اب مجھے تلاش ہے اور تیسرے ایرانی عالم دین اور مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی جن کے بارے میں نہایت مفصل معلومات رسالے میں شامل مقالے کے مطالعے سے ہوئی۔ رسالے میں پہلا مقالہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دوسرا مقالہ امام غزالی کے استاد الجوینی اور الشافعیؒ پر ہے۔ جبکہ راقم الحروف نے سرسید احمد خان اور ڈاکٹر شکیل اوج نے خواجہ غلام فرید کو موضوع بنایا ہے۔ دو عمدہ مقالے علامہ اقبالؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ پر ہیں۔ "التفسیر" کے اس شمارے کو دینی و علمی شخصیات کا ایک حسین گلدستہ کہا جا سکتا ہے جس کو رنگ برنگے خوشنما پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ یہ شمارہ اس بات کا پیغام ہے کہ اگر ہماری قومی زندگی میں بھی ایسی وسیع المشربی، کشادہ دلی اور عالی ظرفی عام ہو جائے تو ہماری زندگیاں کتنی آسان ہو جائیں۔ جدید پڑھے لکھے لوگ جو مذہبی شخصیات کو فرقہ بندیوں اور گروہ بندیوں میں گرفتار دیکھتے ہیں تو خود مذہب سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مذہب بہ قول اقبال ایک دوسرے سے بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ مذہب تو حسنِ سلوک اور حسنِ خلق کا نام ہے۔ جب بھی ملک میں نفاذ شریعت کی بات کی جاتی ہے تو انگریزی اخبارات کے کالم نگار طنزاً یہ سوال اٹھاتے ہیں کون سی شریعت، دیو بندیوں کی یا بریلویوں کی، جماعت اسلامی کی یا فقہ جعفری کی۔

ڈاکٹر شکیل اوج کے رسالے "التفسیر" کے تمام ہی مقالات سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دین کی خدمت انجام دینے والی یہ تمام شخصیات قابل احترام ہیں۔ انہوں نے اللہ اور ان کی آخری الہامی کتاب کے پیغام کو عام کرنے کے لیے حتی المقدور کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مقبول کرے (آمین) اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم بھی ان ہی شخصیات کی طرح اپنے اندر دین کی محبت ہی نہ رکھیں اس کا فہم بھی پیدا کریں۔ اسلئے کہ محض محبت سے تنگ نظری جنم لیتی ہے اور دین کی تفہیم سے کشادگی۔ "التفسیر" حاصل کرنے کے لیے پی او بکس 8413 جامعہ کراچی 75270 پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر طاہر مسعود

مطالعہ کی شوقین نسل کہاں کھو گئی؟

ڈاکٹر نوید اقبال انصاری

روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۲ء

انسان کے کردار اور اس کی مجموعی شخصیت کی تعمیر میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے لیکن ایک اور اہم شے جو کسی بھی انسان کی شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور کبھی کبھی انسان کو اس کی شخصیت مکمل ہونے کے بعد بھی کسی نئے ماحول میں کھینچ لاتی ہے اور اس کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیتی ہے، اس کا نام کتاب ہے۔ موجودہ دور میں کہا جاتا ہے کہ میڈیا لوگوں پر، خاص کر نئی نسل پر منفی اثر ڈال رہا ہے اور انہیں بے راہ روی کی طرف لے جانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے تاہم مشاہدے کی بات یہ ہے کہ آج بھی جن نوجوانوں کا رشتہ کتاب یا مطالعے سے ہے وہ بالکل ہی الگ شخصیت کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ آج اگر اپنے دائیں بائیں پختہ عمر کی معروف و کامیاب شخصیات کے بارے میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثریت زمانہ طالب علمی ہی سے مطالعہ کی

شوقین رہی ہے۔

موجودہ دور میں بھی جو والدین اپنے بچوں کو مطالعہ کی عادت ڈال رہے ہیں ان کے بچے نیٹ اور ٹی وی چینلز کو زیادہ دیکھنے کے شوق میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے اپنے بچوں کو پہلے لطائف اور دلچسپ کہانیاں پڑھنے کی عادت ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ بامقصد کتابوں کے مطالعے کی طرف لے آئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچوں کو مطالعہ کی عادت بلکہ نشہ سا ہو گیا اور اس نشے کے بعد ان کے بچے نیٹ و ٹی وی چینلز اور دوستوں میں باہر جا کر بلاوجہ وقت گزارنے کی علت سے بچ گئے۔ مطالعہ کی عادت درحقیقت نوجوانوں کو بے راہ روی سے روکنے کا کامیاب ترین نسخہ ہے۔

بعض افراد کے نزدیک ایک اہم مسئلہ مطالعہ کے لیے مواد کے انتخاب کا ہے اس سلسلے میں عموماً دو بڑی اقسام کے مطالعہ رکھنے والے افراد ہمیں نظر آتے ہیں ایک وہ جنہوں نے ادبی قسم کی کتب مثلاً ناول، شعر و شاعری کا مطالعہ کیا جس کا مرکز مذہب کے بجائے انسانیت دوستی کے گرد نظر آتا اور دوسری اقسام ان لوگوں کی جن کا مرکز مذہب کے دائرے میں ہی رہتا ہے۔ اقبال اور نسیم حجازی کو پڑھنے والے ہوں یا رضیہ بٹ، منٹو کو پڑھنے والے ہوں نظریاتی اعتبار سے سوچ کے الگ الگ دائرے تو ضرور رکھتے ہیں لیکن ان تمام میں مطالعے کے باعث وہ خصلتیں جڑ پکڑ چکی ہیں جن سے معاشرے کی تعمیر تو ہو سکتی ہے مگر بگاڑ پیدا نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی معاشرے کو اگر ہم بگاڑ یا انتشار سے بچانا چاہیں تو اس میں مطالعہ ہی وہ اہم ترین عادت ہے جو کسی معاشرے میں رہنے والوں میں اختلافات تو بھلا پیدا کر سکتا ہے لیکن انتشار نہیں۔ یہ مسابقت کی فضا تو پیدا کرتا ہے لیکن تعارض کی نہیں۔ مطالعے کی عادت رکھنے والے نوجوان کبھی بھی اسٹریٹ کرائم یا بے راہ روی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

مطالعے کی اس خوبی کے باعث آج ہمارے معاشرے میں کتاب پڑھنے کے رجحان کو بڑھانے کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اس ضمن میں جو افراد کوششیں کر رہے ہیں انہیں آگے بڑھانے اور ان کا بھرپور ساتھ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ مطالعہ کا کلچر معاشرے کو صاف ستھرا رکھتا ہے اور انسان کو درحقیقت انسانیت سے قریب رکھتا ہے، اپنے معاشرے کو انتشار، لڑائی جھگڑے کے ماحول کے بجائے پرامن ماحول کے قیام کے لیے ہم سب کو کتب بینی کی عادت کو فروغ دینا ہوگا۔

راقم کی نظر سے حال ہی ایک سہ ماہی علمی، فکری و تحقیقی مجلہ "التفسیر" گزرا، اس کے مدیر اعلیٰ جامعہ کراچی اور علمی حلقوں کی معروف شخصیت پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج ہیں۔ یہ شمارہ شخصیات پر ہے جس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام الحرمین الجوینی الشافعیؒ، قاضی بدر الدولہ، سر سید احمد خان، خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن، علامہ اقبال، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا عبد الرؤف دانا پوری، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا مفتی محمود، علامہ محمد حسین طباطبائی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، علامہ سید احمد سعید کاظمی، علامہ محمد اسد، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا عبد الرشید نعمانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا کوہر رحمان، مولانا شاہ احمد نورانی، صوفی عبد الحمید سواتی، ڈاکٹر اسرار احمد اور پروفیسر علی محسن صدیقی جیسے علمی اور معروف شخصیات پر تحقیقی مواد موجود ہے۔ یہ وہ تمام علمی اور قد آور شخصیات ہیں کہ جن کے بارے میں قارئین کو درست معلومات ضرور ہونی چاہیے۔ نظریاتی اختلافات اپنی جگہ ہی مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں کم از کم یہ علم تو ہو کہ ہم جس کے بارے میں کوئی رائے قائم کر رہے ہیں وہ

حقائق پر مبنی ہے۔ یہ نہ ہو کہ انجانے میں ہم کسی پر تہمت لگا کر اسے مجرم قرار دے دیں۔ اگر کسی بھی شخصیت کے بارے میں ہمیں درست معلومات ہوں تو پھر بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں بلکہ معاشرے میں قائم فاصلے بھی سمٹنے لگتے ہیں۔

آج کے ذرائع ابلاغ کا ایک بنیادی نقص غیر معیاری اور غیر تحقیقی مواد کا افراد تک پہنچنا ہے، اس اعتبار سے پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا بحیثیت مدیر اعلیٰ "التفسیر" کا شخصیات نمبر شائع کرنا ایک کارنامہ ہے۔ آج ہمارے مابین اختلافات کی شدت کے پس پشت غیر تحقیقی و غیر معیاری کتابوں خصوصاً معروف اور علمی شخصیات کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کا ایک بڑا کردار ہے جن کو پڑھ کر عام قارئین غلط بحث میں الجھ کر غلط سمت سفر کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ ان علمی شخصیات کے مقام کو ایک عام فرد کے مقام سے بھی نیچے گرا کر تنقید کا نشانہ بنانے لگتے ہیں۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں تو یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ موجودہ دور میں فرقہ واریت اور تعصب کی فضا قائم کرنے میں غیر معیاری اور غیر تحقیقی و غیر مستند کتابوں کا بڑا ہاتھ ہے کیونکہ ایک عام قاری اس قسم کی کتابیں پڑھ کر حقائق تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔

اس مجلے کی میرے نزدیک سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ مختلف مکاتب فکر اور نقطہ ہائے نظر رکھنے والی قد آور علمی شخصیات کے بارے میں تحقیقی مواد کے ذریعے آگہی حاصل ہو رہی ہے جس کے سبب ہم حقیقی معنوں میں ان شخصیات کو سمجھ سکتے ہیں اور اس سے پروپیگنڈے کے باعث معاشرے میں موجود اختلافات کو کم کرنے میں بھی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کسی بھی کتاب یا مطالعہ کا بنیادی مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ رواداری اور برداشت کے ساتھ معاملات کو سمجھا جائے۔ آج مطالعہ کی عادت ہی ہم سب خاص کر نئی نسل کو درست سمت میں سفر کرنے میں مدد دے سکتی ہے، اساتذہ اور تعلیمی ادارے اس ضمن میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر نوید اقبال انصاری)

روزنامہ نئی بات (۱۴، نومبر ۲۰۱۲ء)

تبصرہ کتب، التفسیر شمارہ خاص، صفحات: 576 قیمت: 300 روپے، ناشر: مجلس تفسیر، کراچی۔

جامعہ کراچی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کی زیر ادارت شائع ہونے والا سہ ماہی علمی، فکری اور تحقیقی مجلہ "التفسیر" کا "شخصیات نمبر" آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اسلام دنیا میں اپنے پیروکاروں کی تعداد کے لحاظ سے بڑے مذاہب میں شمار کیا جاتا ہے جو اخلاقی، معاشی سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے اپنے جوہر پھیلاتے رہے ہیں۔ اس کی بنیاد وہ شخصیات ہی تھیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی اس مقصد کی آبیاری میں لگا دی تھی۔ جن میں نبی ﷺ، خلفائے راشدین، اور علماء اور صالحین کی بڑی اکثریت شامل ہے۔ سہ ماہی التفسیر کے اس خاص شمارے میں عظیم شخصیات کی زندگیوں کے مختلف گوشے قارئین کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔

اس میں 26 شخصیات کی زندگی کے مختلف گوشوں کے ساتھ ان کے کام کو وضاحت و صراحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب میں قدامت اور سینیارٹی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جو مفکر قدیم زمانے کا ہے، اس کو پہلے رکھا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز

میں امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے حدیث پر کام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ساری بحث صرف اسی مسئلے پر صرف کر دی گئی ہو بلکہ ان کی زندگی کے چند حصوں کو بھی اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ تحریر میں بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا ہے۔ صرف امام اعظم پر لکھے گئے مضمون میں ایسا نہیں ہے بلکہ امام الحرمین الجوینی الشافعی کی علمی و فکری خدمات پر بھی علمی مباحث کو پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آٹھویں صدی میں یہودیوں کے اسلامی معاشرے پر پڑنے والے اثرات کے ساتھ عدالتی قوانین پر تحقیقی کام کرنے والے قاضی بدر الدولہؒ، 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں میں شعور اور آگہی پیدا کرنے کے لیے علمی و عملی اقدامات کرنے والے سر سید احمد خان، معروف صوفی بزرگ، شاعر اور اسلامی مفکر خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن شریف اور شاعر مشرق اور عظیم فلسفی و سیاست دان علامہ اقبال کے شعری و نثری کام کی بنیادوں کے ساتھ مزید شخصیات کے کام کو بہترین اسلوب تحریر میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا مودودیؒ، مولانا مفتی محمود، ڈاکٹر حمید اللہ، شاہ احمد نورانی، ڈاکٹر اسرار احمد کے نام بھی شامل ہیں۔ یہ جریدہ ان تحریروں کی بنیاد پر ان عظیم شخصیات کے حوالے سے ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، جسے بطور حوالہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

رفیع الدین ہاشمی

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۱۳ء

سہ ماہی التفسیر کراچی: (شخصیات نمبر)

مدیر اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، مجلس التفسیر، بی۔۳، اسٹاف ٹاؤن، یونیورسٹی کیمپس، جامعہ کراچی۔

صفحات: ۶۰۳۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

زیر نظر خاص نمبر، ماضی بعید اور ماضی قریب کی ۳۵ مسلم شخصیات کے علمی اور فکری کارناموں پر مشتمل ہے، ہر شخصیت پر ایک مقالہ۔ عالم اسلام کی ان مایہ ناز شخصیتوں میں سے، ماسوا امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور علامہ محمد حسین طباطبائی، باقی تمام کا تعلق برعظیم پاک و ہند سے ہے۔ ان مقالات کی تحریک سہ ماہی التفسیر کے مدیر اعلیٰ نے کی تھی۔ بیش تر مقالے ان کے متعلقین کی نگمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ جو کمی رہ گئی، اسے اوج صاحب کی فرمائش اور تدبیر سے ان کے حلقۂ علم و دانش کے احباب نے پورا کر دیا۔

مقالات کا مرکزی موضوع اسلامی نشاتِ ثانیہ ہے مگر اس سلسلے میں سید جمال الدین افغانی، سید قطب، علی شریعتی اور روح اللہ خمینی پر کوئی مقالہ شامل نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ شاید ''صفحات کی تنگ دامنی'' ہو۔ تاہم اُمید ہے جلد دوم میں مذکورہ شخصیات پر بھی مضامین لکھوا کر شامل کیے جائیں گے۔

چند شخصیات ایسی ہیں جو نسبتاً غیر معروف ہیں اور ان کے بارے میں زیادہ مواد نہیں ملتا، جیسے قاضی بدر الدولہؒ (۱۷۹۲ء۔ ۱۸۴۳ء) جو جنوبی ہند کے ایک معزز اور مشہور خاندان نوائط سے تعلق رکھتے تھے۔ حدیث، سیرت اور فقہ پر عربی، فارسی اور اردو میں ۵۳ کتابیں ان سے یادگار ہیں۔ اسی طرح مولانا عبدالرؤف داناپوری (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۴۸ء) جو اپنی بلند پایہ کتاب اصح السیر کے

حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ یا صوفی عبدالحمید سواتی (۱۹۱۷ء۔ ۲۰۰۸ء) جنہوں نے معالم العرفان فی دروس القرآن کے نام سے ۲۰ جلدوں میں تفسیر قرآن شائع کی۔ وہ اپنی تفسیر میں شاہ ولی اللہ اور عبیداللہ سندھی سے متاثر نظر آتے ہیں۔

بعض مقالات نسبتاً زیادہ محنت سے لکھے گئے ہیں، جیسے ڈاکٹر محمد رفیع الدین پر انجینئر نوید احمد کا مقالہ یا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر محمد شکیل صدیقی صاحب کا مقالہ۔ محمد اسد پر سید محمد کاشف کا مقالہ مختصر اور تشنہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت پر مضمون بھی بھرپور اور جامع نہیں ہے۔ اس سے ان کے حالات کا تو کچھ اندازہ ہوتا ہے لیکن ان کے علمی کارناموں کا خاطر خواہ تعارف سامنے نہیں آسکا۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن کے ضابطے کے مطابق، انگریزی میں ہر مضمون کا خلاصہ بھی شامل ہے۔ بحیثیت مجموعی زیرِ نظر نمبر ایک بہت عمدہ، اچھی اور کامیاب پیش کش ہے اور مدیرِ اعلیٰ اور مدیران معاون مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کچھ وقفے کے بعد اور مناسب تیاری کے ساتھ رسالے کا شخصیات نمبر دوم (اور اگر ہو سکے تو حصہ سوم بھی) پیش کیا جائے تو یہ ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔

(رفیع الدین ہاشمی)

سہ ماہی ''حکمتِ قرآن''

(اکتوبر ۲۰۱۲ء)

نام مجلہ: سہ ماہی ''التفسیر'' کراچی کا خصوصی شمارہ (شخصیات نمبر)

مدیرِ اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

ضخامت: ۶۰۰ صفحات، قیمت: ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: دفتر مجلس التفسیر، B-3، اسٹاف ٹاؤن، یونیورسٹی کیمپس، جامعہ کراچی، کراچی۔

مجلس التفسیر کراچی کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والا یہ سہ ماہی مجلہ ہے جس کے مدیرِ اعلیٰ معروف علمی شخصیت ہیں اور جس کی مجلسِ مشاورت میں وقت کے اعلیٰ درجے کی ذہنی اور فکری صلاحیتیں رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ زیرِ تبصرہ التفسیر کا خصوصی شمارہ ہے جس کو ''شخصیات نمبر'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس میں ۴۶ مشاہیر کے حالاتِ زندگی، کارہائے نمایاں اور فکر و نظر پر مقالات لکھے گئے ہیں۔ ان بڑے آدمیوں میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب کا تعلق ماضی قریب سے ہے اور اکثر و بیشتر پاک و ہند کے معروف و مشہور علمائے دین ہیں۔

مقالہ نگاروں میں اونچے درجے کے تعلیم یافتہ، دانشور اور استاد شامل ہیں۔ ہر مقالہ نگار نے اپنی کسی محبوب شخصیت کا انتخاب کیا ہے اور اس کے بارے میں مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کر کے انہیں حسنِ ترتیب سے آراستہ کیا ہے اور پھر اسے مقالے کی شکل دی ہے۔ بعض مقالہ نگاروں نے ان شخصیات پر قلم اٹھایا ہے جن کی انہیں ماہ و سال کی صورت میں صحبت نصیب ہوئی

ہے اور انہوں نے ان سے کسب فیض کیا ہے۔

اس شمارے میں شائع ہونے والی چند شخصیات مندرجہ ذیل ہیں۔ ان کے نام کے سامنے مقالہ نگار کا نام بھی درج ہے:

شخصیت کا نام	مقالہ نگار	شخصیت کا نام	مقالہ نگار
امام اعظم ابوحنیفہ	خواجہ محمد عمیر	سر سید احمد خان	ڈاکٹر طاہر مسعود
علامہ اقبال	ڈاکٹر محمد آصف	مولانا عبیداللہ سندھی	عبدالباقی
ڈاکٹر محمد رفیع الدین	انجینئر نوید احمد	سید احمد سعید کاظمی	محمد طاہر صدیقی
سید ابوالاعلیٰ مودودی	ڈاکٹر محمد شکیل صدیقی	مولانا ابوالحسن علی ندوی	عمیر احمد صدیقی
ڈاکٹر حمید اللہ	محمد افضال اشرف	مولانا شاہ احمد نورانی	محمد ارشد انصاری
ڈاکٹر اسرار احمد	عبدالرحمٰن خان		

چونکہ مقالہ نگاروں نے اپنی پسندیدہ شخصیات پر قلم اٹھایا ہے اس لیے ماسوائے چند ایک کے سب نے اپنے ممدوح کے صرف مثبت پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے، حالانکہ کون سی شخصیت ایسی ہے جس کی زندگی میں اونچ نیچ نہ آئی ہو۔ کسی شخصیت کے حالات زندگی اور کارناموں کی تفصیل میں اس کی زندگی میں ہونے والی غلطیوں، کمیوں، کوتاہیوں اور ناکامیوں کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا۔ بحیثیت مجموعی مجلس التفسیر کراچی کی یہ کاوش قابل مدح وستائش ہے۔ بڑے لوگوں کے حالات پڑھنے سے ہمت وحوصلہ ملتا ہے جس سے انسان ناسازگار حالات میں صبر وثبات کا سبق سیکھتا ہے۔

انجینئر مختار فاروقی

ماہنامہ حکمت بالغہ (جنوری ۲۰۱۳ء)

جامعہ کراچی شعبۂ اسلامیات کے مجلّہ سہ ماہی التفسیر ......کا شخصیات نمبر (24 شخصیات کا تذکرہ)

سہ ماہی ''التفسیر'' کراچی کا ''شخصیات نمبر'' موصول ہوا مطالعہ کر کے از حد خوشی ہوئی کہ ہماری جامعات میں قابل قدر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ قابل احترام ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کے دل میں ایک نیک خیال آیا اور انہوں نے اپنے طلباء کے سامنے اس خیال کو رکھا جس پر یہ قابل قدر مواد منصۂ شہود پر آ گیا اور التفسیر میں چھپ کر ایک وسیع حلقے میں پھیل گیا ہے۔ یہ اشاعت ملک میں ان شاء اللہ فکری یکجہتی اور ہم آہنگی کا سبب بنے گی۔

جن 24 شخصیات کا تذکرہ اس شمارے میں ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- امام ابوحنیفہ
- امام الحرمین الجوینی الشافعی
- قاضی بدر الدولہ
- سر سید احمد خان
- خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن
- علامہ اقبال
- مولانا عبیداللہ سندھی
- مولانا عبدالرؤف داناپوری
- ڈاکٹر محمد رفیع الدین

- سید ابوالاعلیٰ مودودی
- مولانا مفتی محمود
- علامہ محمد حسین طباطبائی
- مولانا سعید احمد اکبر آبادی
- علامہ سید احمد سعید کاظمی
- علامہ محمد اسد
- جسٹس پیر کرم شاہ الازہری
- مولانا ابوالحسن علی ندوی
- مولانا عبدالرشید نعمانی
- ڈاکٹر محمد حمید اللہ
- مولانا کوثر رحمان
- مولانا شاہ احمد نورانی
- صوفی عبدالحمید
- ڈاکٹر اسرار احمد
- پروفیسر علی محسن صدیقی

ترقی پذیر ملک اور نظریاتی ریاستوں کی جامعات اپنے ملک اور قوم کے لئے بہت قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں اور ملکی و ملی مقاصد کو آگے بڑھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ایک طرف باصلاحیت افراد حصول تعلیم کے لیئے یہاں آتے ہیں پھر حکومتیں قوم کا سرمایہ اور وسائل ان اساتذہ اور جامعات پر خرچ کرتے ہیں، اگر یہاں طلباء کو ملکی و ملی مقاصد نظریات کو آگے بڑھانے کی راہیں سجھائی جائیں تو یقین کیجئے قوم بہت جلد نہ صرف اپنے نظریاتی تشخص کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائے گی بلکہ اس کے فروغ یا تصدیر (Export) کے قابل بھی ہو سکے گی۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے جہاں انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ اس ریاست کی عمارت کے اہم ستون ہیں وہاں فوج اس ریاست اور اس کے نظریہ کی حفاظت کی ذمہ دار ہے میڈیا کی اہمیت اپنی جگہ ہے مگر درحقیقت نظام تعلیم اور جامعات میں پروان چڑھنے والی ہماری آئندہ نسلیں ایک نظریاتی ریاست کے لیئے استحکام اور بقا کا سبب ہیں۔ اگر ہمیں ریاست کے نظریہ کو اگلی نسل میں منتقل کرنا ہے تو ہماری جامعات میں اس نظریہ کی تعلیم ناگزیر ہے تا کہ ریاست جس نظریہ کی امین اور وارث ہے وہ نسل درنسل قائم رہ کر دوام حاصل کر سکے۔ ہمارا نظریہ دو قومی نظریہ ہے اور نظریہ اسلام ہے لہذا...... ہماری جامعات میں ایک ایسا نظریاتی نظام تعلیم اور ایک نظریاتی ماحول کا ہونا از حد ضروری ہے نظریاتی نظام تعلیم کو نظریاتی ریاست کا ایک اہم ستون کا درجہ حاصل ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

التفسیر کا یہ شخصیات نمبر پاکستان کے نظریاتی تشخص کے تحفظ و بقا کے لیئے اگلی نسل میں منتقل ہونے کا اگرچہ ایک ہلکا سا اشارہ اور چھوٹا سے قدم ہے مگر آج کی ترقی یافتہ قوموں میں ملکی اور اجتماعی مقاصد اعلیٰ پالیسی ساز اداروں اور ایوانوں میں متعین ہو کر نیچے سرایت کرتے ہیں اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیئے معلومات کا خزانہ ملکی جامعات میں زیر تعلیم ہونہار نوجوانوں کے ''ریسرچ پیپرز'' ہی فراہم کرتے ہیں۔

آج سے 1200 سال قبل جب مسلمان ایشیا، افریقہ، یورپ میں علاقے فتح کر کے وہاں پہنچے اور وہاں اقتدار سنبھالا تو وہاں اپنے سرکاری اہلکاروں کی درجہ بدرجہ رہنمائی کے لیئے Reference Books تیار ہوئیں۔ وہ علاقے کے گورنر سے لے کر دفتری معاون تک کی رہنمائی اور فوری معلومات کا ذریعہ تھیں۔ معجم البلدان اور الملل والنحل اسی قبیل کی تصنیفات تھیں۔ افسوس کہ وہ سارا علمی سرمایہ سقوط بغداد کے وقت دریا برد کر دیا گیا۔ فیا اسفاہ

جب برطانیہ نے اٹھارویں صدی میں دنیا بھر میں وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ہر جگہ تعینات انگریز عملہ کے لیئے رہنمائی

درکار تھی تاکہ ہر علاقے کی پس منظر روایات و شخصیات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جاسکیں تو اس مقصد کے تحت Gazateers کی اشاعت شروع ہوئی جس نے بعد میں انسائیکلوپیڈیا یا ریا کی صورت اختیار کرلی اور وہ ہر سال بعد اضافوں اور اصلاح کے ساتھ Revised Editions کی صورت میں دو صدیوں تک سامنے آتا رہا جب برطانوی سامراج کا اقتدار ڈوب گیا اور اس کی جگہ امریکہ نے لے لی اس سے مغربی طاقتوں کا انداز مداخلت بھی بدل گیا اب ملک فتح نہیں کیئے جاتے بلکہ قرضوں، مالی امداد اور NGO's کے ذریعے کنٹرول کیئے جاتے ہیں لہٰذا امریکی CIA دنیا بھر کی معلومات جمع کرتی ہے اور CIA Planet کے نام سے کچھ حصہ انٹرنیٹ پر عوام کیلئے بھی فراہم کردیا جاتا ہے۔ 92 ممالک میں CIA براہ راست مداخلت کررہا ہے اور باقی ملکوں پر نہ معلوم کس وقت چڑھائی کردی جائے۔ لہٰذا ایک خاص نقطۂ نظر سے یہ معلومات جمع کی جاتی ہیں۔

مستقبل میں اگر اسلام نے پھیلنا ہے اور عالمی خلافت کے قیام کی جو نوید احادیث صحیحہ میں وارد ہے وہ "خبر" پوری ہونی ہے تو اس کے لیے مسلمان اُمت اور بالخصوص ہمیں اپنے نوجوانوں کی رہنمائی کے لیئے "مسلم نقطۂ نظر" سے لکھا گیا بہت سارا تحریری مواد درکار ہے اور یہ بات اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال جن کو مفکر پاکستان کا مقام رفیع حاصل ہے انہوں نے جو افکار دیئے تھے وہ یہی ہیں۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
اور ... میرے ... درویش خلافت سے جہانگیر تری

اور ایسے ہی افکار کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اور اسی سمت میں اجتماعی پیش قدمی ہمارا ملکی وملی اور دینی نصب العین ہے۔

راقم کو "التعمیر" کے اس شمارے میں ملت اسلامیہ پاکستان کے لیئے مستقبل کی اسی ضرورت کی ایک جھلک نظر آئی، اسی لیئے اپنا دردِ دل سطور قرطاس پر منتقل کردیا ہے۔

اس تحریر کے آغاز میں جس خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا تھا وہ یہی ہے کہ ہمیں اپنی جامعات میں موجود قابل احترام اساتذہ اور نوجوانوں کی صلاحیتوں (Taleant) اور جذبے کی کمی کا شکوہ نہیں ہے بس ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی ...... اگر صحیح رہنمائی ہوجائے اور ایک نظریاتی اجتماعی "سوچ" پاکستان کے طول و عرض میں سرایت کرجائے تو کوئی وجہ نہیں ہماری یہی نوجوان نسل ملک پاکستان میں بانیان پاکستان کی اُمنگوں کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہوجائے اور ان کے خوابوں کی تعبیر کرکے ایک ٹھوس حقیقت میں ڈھل جائے اور پاکستان ایک زندہ جدید نظریاتی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بن کر باقی دنیا کے لیئے نمونہ بن جائے۔

حق یہی ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کی "کم کوشی" کا شکوہ تو کرسکتے ہیں لیکن یہ "بے ذوق" نہیں ہے اور ہمیں پاکستان کے نظریاتی مستقبل کے بارے میں اسی لیئے مایوسی بھی نہیں ہے۔ اصل ضرورت مسلسل محنت اور تگ و دو کی ہے۔